(جلد اوّل)

کالیداس کی عظیم شاعری

میگھ دوت

(راست سنسکرت سے)

محمود احمد سحر

کالیداس کی عظیم شاعری

(جلد اوّل)

میگھ دوت

(راست سنسکرت سے)

منظوم تخلیقی ترجمہ

محمود احمد سحر

کالیداس کی عظیم شاعری

(جلد اوّل)

میگھ دوت

(راست سنسکرت سے)

منظوم تخلیقی ترجمہ

محمود احمد سحر

رابطہ

کتابی دنیا دھلی

یہ کتاب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے مالی تعاون سے شائع کی گئی ہے۔

KALIDAS KI AZEEM SHAIRI, MEGH DOOT

(Vol-1)

by

Mahmood Ahmed Sahar
3/1 Madar Gate, Ujjain-456001 (M.P)
Mobile : 097-70-066030

ISBN: 978-93-84269-34-0
Year of Edition : 2015
Price: ₹ 115/-

نام کتاب	:	کالیداس کی عظیم شاعری: میگھ دوت (جلد اوّل)
مترجم وناشر	:	محمود احمد سحر
سنہ اشاعت	:	۲۰۱۵ء
صفحات	:	۲۰۰
قیمت	:	۱۱۵/- روپے
کمپوزنگ	:	محمد اکرام
تعداد	:	۵۰۰
مطبع	:	ایچ۔ایس۔آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

Kitabi Duniya
1955, Gali Nawab Mirza, Mohalla Qabristan,
Opp. Anglo Arabic School, Turkman Gate, Delhi-110006 (INDIA)
Mob: 9313972589, Ph: 011-23288452
E-mail:kitabiduniya@rediffmail.com
kitabiduniya@gmail.com

قبلہ والد مرحوم احمد علی وفا

اور

محترمہ والدہ مرحومہ گوہر خاتون

کے نام

جو مجھے اس وقت

اللہ کے حوالے کر گئے جب میں صرف

دس سال کا تھا—

ابتدائیہ

سنسکرت ادب اور ہندوستان کی قدیم تاریخ میں جس کی اہمیت مسلم ہے، جہاں چونسٹھ جوگنیوں کا راج رہا، ہر دن ایک نیا راجہ بنایا جاتا اور ہر نصف شب کے بعد جس کی زندگی ختم ہو جاتی۔ 'سکند پران' کے اونتیکا کھنڈ کے مطابق تری پورراکشش کو ختم کر دینے کے بعد مہادیو (شیو جی) جس نگری میں آئے اور 'سنک رشیوں' نے جس کا نام 'اجینی' رکھا۔ جہاں ہزاروں سال پہلے بھگوان شری کرشن اپنے بڑے بھائی بلرام اور اپنے دوست سُداما کے ساتھ حصولِ تعلیم کے لیے آئے۔ عیسیٰ مسیح سے چھ سو سال قبل سے جس کا تذکرہ ملتا ہے، جہاں کی خوبصورت شہزادی واسودتہ، اُدین کی پٹ رانی بنی۔ سنہ عیسوی سے 273 سال قبل اشوک حکمراں ہوا۔ جس کا تذکرہ، تذکروں اور سفرناموں میں ملتا ہے۔ والمیکی کی رامائن اور مہابھارت کے ساتھ ساتھ بودھ گرنتھوں میں بہت زیادہ ذکر ملتا ہے۔ آرش گرنتھوں، اُپ نیشدوں اور پرانوں میں جس کا ایک نہیں کئی نام ہیں جیسے:

(1) پرتیکلپا	(2) اونتیکا	(3) بھوگ وتی
(4) ہرنے وتی	(5) کنک شرنگا	(6) کشتھلی
(7) کمدوتی	(8) اُجینی	(9) امراوتی
(10) وشالا	(11) پدماوتی	(12) نویتری
(13) اونتی	(14) اونتیکا پوری	

وندھیاچل کے آغوش میں، مقدس شپرا ندی کے دونوں کناروں پر سطحِ سمندر سے 1698 فٹ کی بلندی پر بسی رہی اجینی (اُجین) ہے۔ جہاں بھرتری، کالیداس، میٹھ، امر، روپ، سوُر، بھاروی، ہریشچندر اور چندر گپت کو اپنی علمیت اور اپنی قابلیت کا نیز اپنے فن کا امتحان دینا پڑا، جس کے بارے میں مہاکوی بان نے کہا:

''اس کی خوبصورتی امرلوک سے بھی بڑھ کر ہے۔ تینوں لوکوں کے آقا شری

مہادیو کالیشور نے اپنی رہائش کے قابل دوسری دھرتی بنائی ہے۔ اس کے چاروں طرف رساتل کی طرح پانی کی کھائی ہے جو ایسی نظر آتی ہے جیسے اُجینی کو دوسری دھرتی سمجھ کر، سمندر پُرکشش انداز میں سمٹ کر چلا آیا ہو۔ چاروں طرف سفید شہر پناہ ایسی معلوم ہوتی ہے، جیسے مہادیو کے وہاں رہنے کی تمنا دیکھ کر، آسمان کو چھوتی ہوئی چوٹیوں والا، کیلاش پربت آگیا ہو۔"

سڑکیں دریاؤں کی طرح چوڑی ہیں ان پر سونے کے ذرّات کی ریت بچھی ہوئی ہے۔ شنکھ، سیپ، موتی اور ہیرے جواہرات کے ڈھیر فروخت ہونے کے لیے رکھے ہوئے ہیں۔ وہاں دیو، دانو، سدّھ، گندھرو، ودّیادَھر، اورنگوں سے سجے تصاویر گھر ہیں جو ایسے نظر آتے ہیں جیسے روز و شب ہونے والے جلسوں میں شرکت کرنے والی حسین یوتیوں کے دیدار کی لگن میں دیوتاؤں کے وِمانوں کی قطاریں آکاش سے اُتر آئی ہوں۔ چوراہوں پر دیومندر ہیں۔ اُن کی چوٹیوں پر سونے کے کلش چڑھے ہوئے ہیں۔ نگری کی حدود کیوڑے کی مہک میں بسی ہوئی ہیں۔ وہاں سرسبز باغات سے اندھیرا ہو رہا ہے۔ مکانات کے ساتھ بنے ہوئے باغات میں مَدْ سے گُنجار کرتے ہوئے بھنوروں نے اندھیرا پھیلا رکھا ہے۔ شوخ اُپ ون لتاؤں (باغات کی بیلوں) کے پھولوں سے ٹکرا کر ہوا معطّر ہو جاتی ہے۔ ہر وقت گھنٹیاں بجتی رہتی ہیں جو خوش نصیبی کی علامت ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کام دیو کی پوجا ہوتی ہے۔

وہاں فوّاروں سے سجے مکانات میں مردنگ کی آوازیں ابھر رہی ہیں۔ پانی کی چھوٹی چھوٹی بوندوں کی بارش ہو رہی ہے۔ سورج کی کرنوں سے زمین پر قوسِ قزح بن رہی ہیں اور پنکھ پھیلا کر طاؤس کھنکتی ہوئی آوازں سے ایک خوبصورت ہنگامہ اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اس نگری میں آس پاس ہزاروں سرووَر (تالاب) ہیں جو نو شگفتہ کنولوں کی موجودگی سے خوبصورت لگتے ہیں۔ ہر ایک سمت میں ہاتھی دانت کی چندر شِلائیں بنی ہوئی ہیں جو کیلوں کے گھنے بن (باغات) سے گھری ہوئی ہیں اور اَمرِت کے جھاگ کی طرح سفید ہیں۔ ان میں وہ نگری سفید ہوگئی ہے اور اس کے چاروں طرف شِپرا ندی بہہ رہی ہے۔ جس کا پانی شباب کی مستی سے مدہوش مہ وشوں کے اثمارِ شباب سے سجا ہوا ہے۔

اس نگری میں پربتوں کی طرح محل ہیں۔ محلوں کی طرح گھر ہیں۔ کلپ ورکش کی

طرح انسان ہیں۔ وہاں محلوں کے بالائی حصوں میں نغمہ سرا پری پیکروں کے انتہائی رسیلے نغمات سن کر سورج کے گھوڑے اپنے مونہہ جھکا کر چلتے ہیں۔ اس نگری میں کامنیوں کے گہنوں کی روشنی سے (راتوں میں) کبھی اندھیرا نہیں ہونے کی وجہ سے چکوا چکوی ایک دوسرے سے دور نہیں ہوتے۔ مہہ جبینوں کے گہنوں کی روشنی سے راتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے آتش وصل نے رات کو شفق رنگ میں رنگ دیا ہو۔ کل ہنسوں کی جذبات بھڑکا دینے والی آوازوں کا ہنگامہ رات دن سنائی دیتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے مہادیو کے قریب ہونے سے کام دیو کے بھسم ہو جانے پر رتی ماتم کر رہی ہو۔

وہاں دھندلائی ہوئی چوٹیوں والی حویلیاں ایسی لگتی ہیں جیسے رات کو مالوہ کی عورتوں کے کنول چہروں کی چمک دیکھ کر چاند کے داغ کو ہوائیں چنچل ہو کر لہراتی ہوئی اپنی زلفوں کی کوروں سے مٹاتی ہوں۔ وہاں محلوں کی چھتوں پر خوابیدہ حسینوں کے چہرے دیکھ کر جیسے وصل کے لیے بیقرار ہو کر چاند، اپنی محبوبہ کے بہانے، گاڑھا صندل چھڑکنے سے ٹھنڈی بنی ہوئی ہیروں کی زمین پر گر کر لوٹتا ہو۔ کہاں تک کہا جائے۔ تاریکیوں کے دشمن بھگوان شری مہا کالیشور کیلاش چھوڑ کر وہاں آ گئے ہیں۔ ترا پُر اسر کی راکھ کو انھوں نے جسم پر مل لیا ہے۔ کام دیو کی موت سے غمزدہ و کرآرادھنا کرتی ہوئی رتی نے، جن سے دو کنگن گر چکے ہیں، اُن پھیلے ہوئے ہاتھوں سے ان کے (شیو کے) قدموں کی پوجا کی ہے۔‘‘

اُجّینی (اُجین) اپنے قدیم تہذیبی اور تاریخی پس منظر میں دنیا کا ایک مثالی شہر رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آسمان سے اتنی تیز رفتار سے دھول برسی کہ تمام شہر دھول میں دب کر اپنا وجود کھو بیٹھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُجین اُلٹ گیا تھا۔ خیر جو اجین کے نصیب میں تھا وہ ماضی میں ہو چکا۔ لیکن اس کا ماضی ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔

مقدس کتابوں اور قدیم تذکروں میں اس کی خوبصورتی، خوشحالی اپنے عروج پر ملتی ہے۔

حکمرانوں میں وکرمادتیہ، بھرتری ہری، راجہ بھوج اور اشوک کے نام نمایاں ہیں تو وکرم، اور وکرم کے نورتنوں کے نام جو مندرجہ ذیل ہیں اور تاریخی اہمیت کے حامل ہیں:

دھن ونتری	شپڈنک	اَمر سنگھ	شنکو
بیتال بھٹ	گھٹ کرپر	کالیداس	وراہ مہر
ورو چی			

یہ سب نام اپنی علمیت اور قابلیت کی وجہ سے تاریخ میں محفوظ ہو چکے ہیں۔ ان ناموں میں کالیداس کا نام بھی شامل ہے جو اپنے ادبی کارناموں سے تمام دنیا میں مشہور ہوئے۔

کالیداس کے نام کے ساتھ وکرمادتیہ کا نام بھی لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کالیداس راجہ وکرمادتیہ کے عہد میں ہوئے ہیں۔ راجہ وکرمادتیہ کو مہاراجہ وکرم بھی کہا جاتا ہے جہاں اُن کی انصاف پسندی، تیاگ، تپسیا، دان پُنہ کے قصّے مشہور رہے ہیں وہیں ان کا سنگھاسن بتیسی بھی لوک کتھاؤں کا ایک لازمی حصّہ ہے جسے 32 پتلیاں اپنے کاندھوں پر اُٹھائے ہوئے تھیں جن کے نام کچھ اس طرح بتائے جاتے ہیں:

رتن منجری	چتر لیکھا	چندر کلا	کام گندلا
لیلاوتی	روی بھاما	کومدی	پشپ وتی
مدھو مالتی	پربھاوتی	ترلوچنی	پدماوتی
کیرتی متی	سُنیتا	سندروتی	ستیہ وتی
ودیاوتی	تارامتی	روپ ریکھا	گیان وتی
چندر جیوتی	انورودھ وتی	دھرم وتی	کرناوتی
جے لکشمی	مرگ نینی	کلے وتی	وے دیہی
مان وتی	کوشلیا	روپ وتی	

روپ وتی اس سنگھاسن کی رانی تھی اور سب ہی مورتیاں اپنی اپنی خصوصیات رکھتی تھیں بلکہ غیبی طاقتوں کی مالک تھیں جو راجہ بھوج کے زمانے میں اُڑ کر غائب ہو گئیں۔

مہاراجہ وکرمادتیہ (وکرماجیت) کو راجہ بھرتر ہری کا ہم عصر بھی بتایا جاتا ہے اور وکرمادتیہ کا بڑا بھائی بھی۔ لوک کتھاؤں کے مطابق تھوڑے اختلاف کے ساتھ جو کہانیاں راجہ بھرتر ہری سے منسوب ہیں اُن سے ہی یہ بات سامنے آتی ہے کہ بھرتر ہری کے ویراگ (دنیاوی امور سے علیحدگی) کے نتیجے میں ہی وکرم، مہاراجہ وکرماجیت بن سکے۔

راجہ بھرتری (بھرتر ہری) جب اجین کے راجہ تھے تو وہ سلطنت کے امور میں کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ ان کی خاص دلچسپی ملک کے مختلف علاقوں کی نوخیز، بے حد خوبصورت اور خلوتی عشق میں جذبات برانگیختہ کر دینے والے سپردگی کے طور وطریق میں ماہر پری پیکروں میں تھی۔ راج محل کے اطراف میں اور محل کے کچھ حصوں میں پری

جمالوں کی بستیاں تھیں۔ بھرتر ہری کا زیادہ تر وقت اُن میں ہی گزرتا تھا۔

بھرتری کی رفیقہ حیات کا نام پینگلا تھا لیکن راجہ کو سنّیاسی بنا دینا دینے والی اننگ سینا تھی ایسا کہا جاتا ہے۔

ہوا یوں کہ ایک درویش صفت سادھو نے بھرتر ہری کو ایک پھل دیا اور کہا کہ یہ پھل تمھارے لیے ہے اسے کھا کر انسان سو برس تک زندہ رہتا ہے۔ بھرتری ہری نے وہ پھل کچھ ہچکچاہٹ کے بعد قبول کرلیا۔

بھرتر ہری اننگ سینا نام کی حددرجہ حسین عورت کو سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ انھوں نے سوچا کہ اُس کا لاثانی حسن وشباب سو سال تک قائم رہے، وہ پھل اَننگ سینا کو کھانے کے لیے دیا۔ بھرتر ہری اپنی اس محبوب بیوی پر جان بھی نثار کر سکتے تھے۔

بھرتری کے جانے کے بعد اننگ سینا نے اپنی خادمہ جو اس کے راز و نیاز کی شریک تھی، بُلا کر راجہ بھرتر ہری کے رتھ بان چندر چوڑ کو خفیہ راستے سے بُلانے کے لیے بھیجا ور اس پھل کی عجیب سی ساخت پر نظریں جمائے سوچتی رہی کہ یہ پھل وہ چندر چوڑ کو ے دے۔ خفیہ راستوں سے آنے والے مردوں میں چندر چوڑ سرفہرست تھا اور اننگ سینا کی نرگسی آنکھوں کا تارہ بھی۔ وہ اس پر جان چھڑکتی تھی۔ چندر چوڑ کی جسمانی اور مردانہ خوبیوں جیسا کوئی دوسرا مرد اس نے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اسے سو سال تک تندرست و توانا دیکھنا چاہتی تھی۔ چندر چوڑ آیا اور شب باشی کی۔ جذباتی رات گزار کر وہ پھل اپنے ساتھ لے کر چلا گیا۔ (دیگر کہانیوں میں اننگ سینا کو بھرتری کی بیوی نہیں بتایا گیا ہے)

چندر چوڑ پر روپ لیکھا نام کی راجہ کی داشتہ جو انتہائی حسین و جمیل تھی، دل و جان سے فریفتہ رہا کرتی تھی اور تمام احتیاط کے ساتھ اپنے خلوت کدے میں جسمانی تسکین کے کھیل کھیلا کرتی تھی۔ اس نے وہ پھل روپ لیکھا کو کھانے کے لیے دے دیا۔

روپ لیکھا کو اپنی موجودہ زندگی سے نفرت ہو چلی تھی۔ وہ بھرتر ہری کی رانی بن کر بقیہ زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ جب راجہ بھرتر ہری شب گزاری کے لیے روپ لیکھا کی جلوہ گاہ میں آئے تو روپ لیکھا نے وہ پھل انھیں دے کر اپنے خواب کی تکمیل چاہی۔ راجہ وہ پھل پاکر حیرت زدہ ہوگیا۔ جب اس نے روپ لیکھا سے سختی کا برتاؤ کیا تو اُس نے بتایا یہ پھل اسے چندر چوڑ نے دیا۔ چندر نے غضبناک راجہ کے خطرناک تیوروں کے آگے

گھٹنے ٹیک دیے اور بتایا کہ یہ پھل اُسے اننگ سینا نے کھانے کے لیے دیا تھا۔

بیوفائی کے ان سلسلے وار واقعات نے راجہ بھرتر ہری کو راجہ سے سنیاسی بننے میں اہم کردار ادا کیا۔ جب بھرتر ہری راج پاٹ چھوڑ کر جنگلوں میں بھٹک رہے تھے تو ایک سنیاسی سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ بھرتر ہری نے ان سے پوچھا کہ عورت کیا ہے؟ سنیاسی نے جواب دیا کہ عورت ماں، بہن، بیٹی سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں۔"

بھرتر ہری برسوں جنگلوں میں بھٹکتے رہے۔ اس مرتبہ ایک بہت ہی پروقار درویش صفت سنیاسی سے ان کی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے بھرتر ہری کو اپنا شاگرد بنا لیا۔ یہ بزرگ سنیاسی گرو گورکھ ناتھ تھے۔

ان حالات اور واقعات سے گزرتے ہوئے بھرتر ہری نے 'بھرتری شتک' کی تخلیق کی جو سنسکرت ادب میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے۔ بھرتر ہری شتک، شرنگار، نیتی اور ویراگ، تین موضوعات پر محیط ہے۔

بھرتر ہری کی سمادھی اُجین میں ہی ہے اور گڑھ کالیکا سے سرنگوں کا سلسلہ بھی شروع ہوتا ہے — ان سرنگوں کی موجودگی اُن خفیہ راستوں کے استعمال کے لیے ممکن ہوسکتا ہے جن کا مختصراً تذکرہ کیا جاچکا ہے۔

راجہ بھرتر ہری کے شلوکوں کے چند نثری ترجمے بھی یہاں پیش کر رہا ہوں تاکہ اُس عہد کے فکر و خیال کا تھوڑا بہت اندازہ ہوسکے اور اگر کالیداس سے موازنہ کرنا چاہیں تو کرسکیں:

> "عورتوں کی مسکراہٹ، شرم و حیا، ہنس کر مونہہ پھیر لینا اور ترچھی نگاہوں سے دیکھنا، ذو معنی جملوں کا استعمال کرنا، طرح طرح کی ادابازیوں کا سہارا لینا، یہ سب ایسے خوبصورت حربے ہیں جن سے دنیا کا کوئی بھی مرد نہیں بچ سکا ہے۔ مرد، عورت کے ان ہی ناز و انداز کی وجہ سے اس دنیا کے بندھنوں سے خود کو آزاد نہیں کر پاتا۔"

> "کام دیو یقیناً ہی عورت کے زیر اثر ہے۔ کیوں کہ اس کی خوبصورت آنکھیں جدھر اشارہ کرتی ہیں۔ وہ اُدھر ہی چل پڑتا ہے۔ یہ عورت کی غلامی ہی تو ہے۔"

''دنیا میں چاہے اس کی کتنی بھی برائی کی جائے کہ چندن وغیرہ، سنگھار ایمان شکن اور زہد شکن ہیں۔ گناہوں پر اکساتے ہیں۔ ان کی حد..... نہیں ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا میں ان خوبصورت عورتوں سے بڑھ کر اور ان سے بہتر کچھ بھی نہیں اور یہ زہد وتقویٰ میں خلل انداز ہوتی ہیں۔''

''بھاری نتھنوں والی عورت کو چھوڑ کر، نہ کوئی امرت ہے اور نہ زہر۔ جب اس کی محبت نصیب ہوتی ہے تو وہ امرت (آبِ حیات) کی طرح ہے۔ جب محبت (جسمانی تعلق) سے انکار کر دیتی ہے تو زہر کی طرح لگتی ہے۔'' (شر رنگار شتک)

''طویل عمری کی وجہ سے چہرہ جھریوں سے بھر گیا ہے۔ ضعیفی کی سفیدی سر پر چھا گئی ہے۔ تمام بال سفید ہو گئے۔ ہاتھ پیروں میں دم نہیں رہا لیکن 'اُمید' نوجوانوں کی طرح طاقتور بنی ہوئی ہے۔ میں کچھ درہم برہم ہو گیا لیکن امید نہیں۔ یہ جوں کی توں جوان ہے۔''

''بھیک میں جو مل جائے اُسی پر صبر کر لینا چاہیے۔ اسی صبر کی وجہ سے یوگی بھیک (خیرات) کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ ہر طرح کے گھمنڈ اور غرور کو چور چور کر دیتی ہے۔ حسد ختم کر دیتی ہے۔ جہاں سے جو بھی بھیک میں ملے، اُسے خندہ پیشانی سے قبول کریں۔ یہی تسکین کا ذریعہ ہے۔ شیو بھی ماں انپورنا سے ''بھکشا دے ہی، کہہ کر بھکشا لیتے اور اسی پر اطمینان کر لیتے تھے۔''

'شروتی پرانوں' میں کہا گیا ہے کہ انسانی زندگی صد سالہ۔ اس کا نصف حصہ (پچاس سال) تو رات میں گزر گیا۔ (سو کر گزر گیا)۔ ایک چوتھائی یعنی پچیس برس بچپن اور جوانی میں گئے، بچے ایک چوتھائی یعنی پچیس سال غم اور دُکھ درد، فراق، محبوب (بیوی)، بزرگوں کی خدمات میں گئے تب بچ کیا؟ یہ سب ہماری زندگی کی سچائیاں ہیں۔ سکھ ناممکن

ہے کیوں کہ کبھی کچھ غمزدہ دکھائی دیتا ہے۔''

''عزت کم ہو جانے پر، دولت ختم ہو جانے پر، سوالی کے محروم لوٹ جانے پر، رزق کم ہو جانے پر، ملازمین اور خدمت گزاروں کے ساتھ چھوڑ جانے پر، جوانی ڈھل جانے پر، نجات کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے۔ گنگا کے کنارے رہائش اختیار کر لینا۔ بس یہی عقلمندی کا کام ہوتا ہے۔'' (نیتی شتک)

''دنیا میں تین قسم کے انسان ہیں۔ کم عقل، عقلمند اور بیوقوف۔ ان میں سے کم عقل کو آسانی سے سمجھایا جا سکتا ہے۔ عقلمند کو خوش اخلاقی اور خوش بیانی سے سمجھایا جا سکتا ہے لیکن احمق کو بے حد ہوشیار شخص بھی نہیں سمجھا سکتا وہ اپنی ضد پر ہی اڑا رہتا ہے۔''

''یہ سچ ہے کہ ادب، موسیقی اور فنون لطیفہ سے ناواقف شخص، (دُم اور سینگ کے بغیر) بنا دُم اور سینگ کا جانور ہے (جانور جیسا ہے) ایسا انسان نُما جانور گھاس نہیں کھاتا پھر بھی گھاس کھانے والے قدرتی جانور (چرند) اُس سے بہتر ہیں۔ انسان نما ایسے ذی روح جو جسم تو انسان کا رکھتے ہیں لیکن ان کی ذہنیت جانوروں کی طرح گھٹیا اور گری ہوئی ہے، وہ مذمت کے قابل ہیں۔''

''دولت مل جانے پر دولت مندوں کا مزاج (عادت واطوار) کنول کی طرح نازک ہو جاتا ہے اور وہی مصیبتوں کے دنوں میں بڑے پہاڑوں کی چٹانوں کی طرح سخت (اُور بے رحم) ہو جاتا ہے۔ شریفوں کے کردار کی یہی تبدیلی ان کی بڑائی کا سبب بن جاتی ہے۔''

''سر پر پڑنے والی گرم دھوپ سے پریشان گنجا شخص سایہ دار جگہ تلاش کرتا ہوا اتفاق سے تاڑ کے درخت کے نیچے آ پہنچا۔ وہاں تاڑ کے ایک بڑے وزنی پھل کے گرنے سے اُس کا سر تیز آواز کے ساتھ پھٹ گیا۔

اکثر دیکھا گیا ہے جہاں بدنصیب شخص جاتا ہے وہاں مصیبتیں اور پریشانیاں بھی اُس کے ساتھ جاتی ہیں۔'' (ویراگیہ شتک)

راجہ بھرتر ہری اپنے ویراگیہ جیون میں یوگیہ، تاپ، تپ اور آرادھناؤں میں ڈوب گئے وقت نے انھیں راجہ سے رنک بنا دیا اور وہ رنک سے 'ناتھ پنتھ' کے 'چھٹے گرو' ہونے کا شرف حاصل کر گئے۔ لیکن انھوں نے زندگی کے نشیب و فراز سے جو سیکھا، اُسے 'بھرتر ہری شتک' کے شلوکوں میں بیان کر دیا۔

دنیا کی قدیم ترین نگری اجینی کے تعلق سے راجہ بھوج کا مختصراً تذکرہ کیا جانا بھی ضروری ہے۔ ان کے عہدِ حکومت میں اجین کو گڑھ کالیکا سے ہٹا کر مہا کالیشور مندر کے آس پاس بسایا گیا۔ ڈاکٹر بھگوتی لال راج پروہت جو سنسکرت ادب کے عالم، محقق اور بے شمار کتابوں کے مصنف بھی ہیں ان کی تحقیقات سے، اُس عہد کے تانبر پتروں اور دیگر ثبوت و شواہد کی روشنی میں یہ سب سامنے آتا ہے:

(1) راجہ بھوج (بھوجپال) کا دورِ حکومت 965 سے 1055ء تک رہا اور انھوں نے 55 سال 7 ماہ اور 3 دن حکومت کی۔

(2) قدیم زمانے میں مالو راجیہ مغربی مدھیہ پردیش میں تھا۔ اس کی راجدھانی اجین تھا لیکن حفاظتی اقدام کے تحت راجہ بھوج نے دھار کو راجدھانی بنایا۔ دھار کا قدیم نام دھارا نگری تھا۔ راجہ بھوج کی عرفیت بھوپال تھی۔ اس نام پر بھوپال اور بھوپال پور بسایا۔

(3) راجہ بھوج کی سو سے زائد رانیاں تھیں۔

(4) کہا جاتا ہے کہ راجہ بھوج کے دربار میں پانچ سو کوی اور عالم تھے۔

شہنشاہ اکبر کے عہدِ حکومت میں لکھی گئی کتاب کے مطابق راجہ بھوج ہر چھٹے مہینے میں چالیس دن کا جشن منعقد کرتے تھے جس میں ملک کے تمام کوی، عالم، اور مختلف فنون سے تعلق رکھنے والے فنکار شرکت کرتے تھے۔

(5) قدیم گرنتھوں سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کے 104 (ایک سو چار) گرنتھ پر بندھ اور 84 گرنتھ تھے۔ وہ بہترین حکمراں، فلسفی، تخلیق کار، بے حد رحم دل، فن کار اور فن پرست تھے اور اُن کے عہد میں زبردست تعمیراتی کام ہوئے۔ ان کی مقبولیت نے اُنھیں ان کی زندگی میں ہی قصوں، کہانیوں کا ہیرو بنا دیا تھا۔

(6) بھوج نے پرم ویر گانگیے راجہ شکست دے کر 'گانگیے منگلتسو' منایا تھا اس زبردست اور قابلِ فخر فتح پر سماج میں 'کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگو تیلی' کہاوت وجود میں آئی۔

(7) راجہ مہاراجہ، بھوج کو 'مہاراج اَدھیراج پرمیشور' کے روپ میں عزت بخشتے تھے۔ راجہ بھوج کے دربار میں سینکڑوں راجہ شرکت کیا کرتے تھے۔

(8) اُن کا کہنا تھا کہ دوسروں کے کسی بھی مذہب کی نہ تو برائی کرنی چاہیے اور نہ اُن سے دشمنی کرنا چاہیے۔

اجین، جہاں تاریخی اعتبار سے دنیا کے قدیم ترین شہروں میں اپنی پہچان بنائے رہا، وہاں علم وفن کی آماجگاہ کا رتبہ اور مرتبہ بھی اسے حاصل رہا۔ موسمی اعتبار سے بھی اس شہر کا اپنا ایک مزاج مشہور رہا ہے اور 'شبِ مالوہ' اس شہر کا حصہ ہے۔

مقدس کتابوں اور قدیم ترین تذکروں میں اس کی پروقار عظمتیں جلوہ گر ہیں اس کی راتیں، ابھیسار کے معاملات، اونچے اونچے محل، بڑی بڑی حویلیاں، مہکتے ہوئے باغات، رقص وسرور کی محفلیں، موسمی تقاضوں کے مطابق حسن وجسم کی آرائشیں، راز و نیاز کی تنہائیاں، صندلی دھوئیں سے مہکتے ہوئے شبستانوں کے سلسلے، بازاروں میں ہیرے جواہرات کے ڈھیر خوش حال زندگی کے خوبصورت شب وروز جو اپنی مثال آپ تھے، ایسے ہی شہر کو کالیداس کا وطن تسلیم کیا گیا ہے اور کالیداس نے اپنی تخلیقات میں اس شہر کے اپنے پن کا بیان جس انداز میں کیا ہے، اسے بھی ناقدین نے ثبوت کے طور پر سامنے رکھا ہے۔

پدم شری پنڈت سوریہ نارائن ویاس نے 'رتو سنہار' کی چھ رتوؤں کو صرف مالوے میں پائی جانے اور ان چھ رتوؤں پر 'رتو سنہار' کی تخلیق کو کالیداس کی وطنی محبت اور قدر شناسی کے ذیل میں رکھ کر 'اجینی' کو ہی کالیداس کا وطن ثابت کیا ہے۔ یہ شہر دیوی دیوتاؤں کا مرکز اور مندروں کا شہر رہا ہے۔ یہی اپنے ماضی میں علوم وفنون کی دولت سے مالامال رہا اور یہی شہرِ عشق بھی۔ اسی اجین میں کالیکا دیوی کا مندر ہے جنھوں نے کالیداس کو تخلیقی صلاحیتوں سے نوازا۔

کالیداس کی ذات، شخصیت، عقائد زندگی اور وفات آج بھی ایک اُلجھن بنے ہوئے ہیں۔ کالیداس کی تخلیقات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی جغرافیائی معلومات زبردست تھیں۔ وہ ان مقامات کو دیکھ بھی چکے تھے۔ ایسے ہی پس منظر کا سہارا لے کر یہ

روایت چلی آ رہی ہے کہ انھوں نے سیلون تک کا سفر کیا۔

کالیداس کی شادی کے متعلق بھی ایک کہانی ہے۔ ایک مرتبہ ودیوتما نے اپنے گرو (اُستاد) وروچی کی توہین کر دی۔ وروچی نے تہیہ کیا کہ وہ اس مغرور اور مونہہ زور شہزادی کا بیاہ کسی انتہائی احمق شخص سے کروائے گا۔ اِدھر ودیوتما اور راجہ وکرمادتیہ کا کہنا تھا کہ جو عالم اپنی علمیت سے ودیوتما کو شکست دے گا وہی اُس کا شوہر بن سکے گا۔

ایک دن وروچی نے جنگل میں ایک نوجوان کو دیکھا جو درخت کی اُسی ڈال کو کاٹ رہا تھا جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا۔ وروچی اُسے اپنے ساتھ راجدھانی (اُجّینی) لے آئے اور اُسے ایسی پٹی پڑھائی کہ وہ دربار میں انتہائی قابل شخص تسلیم کر لیا جائے۔ وروچی کی یہ سازش کامیاب ہوئی اور ودیوتما کا بیاہ ہو گیا۔ جب اُسے اپنے شوہر کی حقیقت کا پتہ چلا تو اُس نے اس احمق شوہر کو گھر سے نکال دیا۔ کالیداس نے 'کالی' کی آرادھنا کی اور کالی کے وردان سے وہ عالم اور کوی بن کر لوٹے تب ودیوتما نے ان کا پرتپاک استقبال کیا۔

ایک کہانی یہ بھی ہے کہ ان کی موت لنکا کی ایک طوائف کے ہاتھوں ہوئی اور ان کی سمادھی کرندی ندی کے کنارے موجود ہے۔

یوں بھی کہا جاتا ہے کہ کمارداس جو ان دنوں سیلون (لنکا) کا حکمراں تھا اُس کے تعلقات ایک طوائف سے تھے۔ جب کمارداس کو یہ معلوم ہوا کہ کوئی اجنبی اُس کے کردار کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے اس طوائف کے یہاں آتا جاتا ہے تو اُسے شک ہوا کہ وہ شخص کہیں کالیداس نہ ہو؟ اس نے اس مفہوم کا ایک مصرع ''کہ کنول سے ہی کنول پیدا ہوتا ہے یہ بات سنی ہے مگر دیکھی نہیں۔'' طوائف کو تحریر میں دیا اور کہا کہ اگر اس پر کوئی بہترین گرہ لگائے گا تو وہ اُسے بطور انعام ایک ہزار اشرفیاں دے گا۔ جب کالیداس اس طوائف کے یہاں پہنچے تو طوائف نے اُس مصرع پر گرہ لگانے کی بات کہی۔ کالیداس نے یہ گرہ لگائی۔

''اگر ایسا ہے تو اے حسینہ تمھارے کنول جیسے چہرے پر کنول جیسی دو حسین آنکھیں کہاں سے آ گئیں۔''

تو انعام کے لالچ میں اس طوائف نے کالیداس کو قتل کر دیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ کالیداس کی وفات اُجینی میں ہی ہوئی۔

کہا جاتا ہے کہ سنسکرت شاعری کی ابتداء والمیکی سے ہوئی۔ والمیکی ہی سنسکرت کے

پہلے شاعر ہیں۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ابتداء میں قزاق تھے اور اپنے گھر کے افراد کی گزر بسر کے لیے لوٹ مار کیا کرتے تھے جسے گھر کے افراد ناپسند کرتے تھے۔ ایک دن جب ان سب نے کہہ دیا کہ ہم سب تمھارے گناہوں کے ذمے دار نہیں ہوں گے تو ان کی اس بات سے والمیکی کو گہرا صدمہ پہنچا اور والمیکی نے سوچا کہ میں جن کے لیے یہ سب کچھ کرتا ہوں، جب وہ ہی میرا ساتھ نہیں دے سکتے، میرے گناہوں میں شریک نہیں ہو سکتے تو وہ سب کچھ کرنا غلط ہے جو میں ان سب کے لیے کرتا آرہا ہوں۔ یہیں سے ان کی زندگی میں ایک زبردست انقلاب آیا۔ وہ اپنی پچھلی زندگی سے متنفر ہو کر، ایک سادھو کا روپ دھارن کر کے جنگلوں میں نکل گئے۔ وہاں وہ عبادتوں میں اتنے کھو گئے کہ ان کے جسم پر کچھ مٹی جم گئی اور اس میں چیونٹیوں نے اپنے گھر بنا لیے۔ ایک دن اُدھر سے رام کا گزر ہوا۔ انھوں ے انھیں بیدار کیا۔

جب ان کی محویت کا زمانہ ختم ہوا تو انھوں نے ایک آشرم کی داغ بیل ڈالی۔ ایک صبح جب وہ اصول کے مطابق غسل کرنے جارہے تھے تو راستے میں انھوں نے ایک شکاری کے ہاتھوں ایک نر پنچھی کو دم توڑتے ہوئے دیکھا جو کہ ایک جوڑے کی شکل میں محبت میں گم تھا۔ نر پکشی کو دم توڑتے ہوئے دیکھ کر والمیکی کی زبان سے جو الفاظ نکلے وہ نثر میں نہیں بلکہ نظم میں تھے۔ اس واقعے کے کچھ عرصے کے بعد انھیں آسمانی صدا سنائی دی۔ جس کے حکم کے مطابق انھوں نے منظوم رامائن لکھی۔ اس طرح سنسکرت میں والمیکی سے شاعری کا آغاز ہوتا ہے۔

والمیکی کے بعد جو شہرت، مقبولیت اور عظمت، سنسکرت ادب کے شاعروں میں کالیداس کو نصیب ہوئی وہ اور کسی شاعر کو نہیں۔ کالیداس کی شاعری اور ان کا انداز بیان اتنا خوبصورت، پر کشش اور پر اثر ہے جو دل و دماغ پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ سنسکرت ادب کا کوئی بھی شاہکار کالیداس کی تخلیقات کی اونچائیوں کو نہیں چھو سکا۔

سنسکرت شاعری کا مطالعہ کرتے وقت کبھی کبھی ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے موسموں اور قدرتی مناظر کا چولی دامن کا ساتھ ہو۔ فطرت جس طرح موسم بہار میں پیڑ، پھل پھول اپنے قدرتی حسن و جمال کے ساتھ پھلتے پھولتے ہوئے ملتے ہیں اُسی طرح کالیداس کے ایک ایک شلوک میں ایسا ہی سب کچھ محسوس ہوتا ہے اور پھر ذہن کو اپنے

اساطیری اثرات میں جکڑ لیتا ہے۔ میگھ دوت، رتو سنہار اور مہا کاویہ کمار سنبھو دلیل کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں۔

کالیداس کے یہاں اُن کی شاعری کا اکثر آغاز نیچر اور نیچر کے لاڈلوں سے ہوتا ہے مہکتی ہوئی تازہ ہوائیں آسمانی بلندیوں سے زمین کے آنگن میں اترتی ہیں۔ بچپن اپنی سنہری کرنوں سے نیچر کے لاڈلوں کی آنکھوں میں کاجل لگاتا ہے، مہکتی ہواؤں کی اٹکھیلیوں سے کلیاں چٹک کر پھول بنتے ہیں، جھومتے ہوئے گھنے درخت اپنے پرسکون سائے پھیلاتے ہیں۔ سکون بخش چاندنی شاخوں سے چھن چھن کر روپہلی راتوں کی جذباتی تاریکیوں میں روپ رنگ کا اضافہ کردیتی ہے۔

کالیداس کے فن پارے انمول ہیں۔ رقاصۂ فطرت کے خوبصورت حلقوں میں گھرے ہوئے رنگ روپی جلوے بے شمار ہیں۔ کالیداس کا فن، مفہوم اور الفاظ، تینوں کی جادو اثر کیفیات دل و دماغ کو اپنا گرویدہ بنالیتی ہیں۔ چاروں طرف پھیلی ہوئی کائنات کی لامحدودیت کو کچھ کچھ سمجھنے اور ان کے تقاضوں کے روبرو ہونے والے عمل کا اپنا کوئی جواب نہیں۔

امنڈتے ہوئے بادل، چمکتی ہوئی بجلیاں، بل کھاتی ہوئی ندیاں، تاروں بھرا نیلا آکاش، گنگناتے ہوئے بھنورے، شگفتہ پھولوں کے باغات، طرح طرح کے لباس زیب تن کرتی ہوئی دھرتی، پرندوں کے چہچہاتے ہوئے ہجوم، چڑیوں کی ٹولیاں، بگلوں کی قطاریں، نگر، محل، حویلیاں، گھر، مہکتے ہوئے ملن کش، خلوتوں میں جذباتی قربتیں، اور بہت کچھ پر کالیداس کی شاعرانہ گرفت بہت مضبوط ہے۔

میگھ دوت کالیداس کی ایک شہرۂ آفاق ویوگ اور رنگ رس میں ڈوبی ہوئی خوبصورت نظم ہے۔ اس نظم کا مرکزی کردار یکش ہے جو یکش راج کبیر کا خادم تھا اور وہ اس کام پر معمور تھا کہ روز صبح کنول کا تازہ پھول توڑ کر یکش راج کو پوجا کے لیے دستیاب کروایا کرے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ کبیر نے اپنی بیوی کے ساتھ دیر رات تک جاگنے کی وجہ سے رات کا رکھا ہوا پھول پوجا کے لیے محل میں پہنچا دیا۔ پھر یہ اس کی عادت میں آگیا۔ وہ رات میں کنول کا پھول توڑ لاتا اور محل میں پہنچا دیا کرتا۔ ایک صبح یکش راج کبیر کی انگلی میں اس بھنورے نے ڈس لیا جو رات میں کنول پھول میں بند ہو گیا تھا۔ راز فاش ہونے پر یکش راج کبیر نے اسے رنگینیوں میں غرق رہنے اور فرض میں لاپرواہی

برتنے کی وجہ سے شاپ دیا کہ وہ ایک سال تک اپنی بیوی سے علیحدہ رہے۔ نتیجتاً یکش کو اپنی بیوی سے دور ہو کر ایک سال کا عرصہ کاٹنے کے لیے رام گری کے آشرم میں رہ کر اس سزا کو کاٹنے پر مجبور ہونا پڑا۔

اپنی محبوب بیوی سے بہت دور، اُس کی دوری سے غمزدہ، فراق کا مارا ہوا، پل پل ہجر کی آگ میں جلتا رہتا۔ ایک دن اُس نے اساڑھ ماہ کے پہلے بادل کو دیکھا۔ سوچا کہ کیوں نہ میں اپنی بیوی تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے اس میگھ سے درخواست کروں۔

یہ درخواست ہی 'میگھ دوت' ہے۔ اب اس درخواست کو کالی داس نے کن فطری رنگوں سے سجایا، اسے آپ میگھ دوت کو پڑھتے وقت ہی محسوس کر سکیں گے۔ شاعرانہ بصیرت، انداز کی شگفتگی، اور علاقوں کی دلکش سرگرمیاں ایک الگ ہی تخلیق سے آپ کی ملاقات کروائیں گی۔

کالیداس سنسکرت ادب میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ استعارات اور تشبیہات کے بادشاہ کہلاتے ہیں۔

کالیداس کے گرنتھ مندرجہ ذیل ہیں:

(1) میگھ دوت (2) رتو سنہار (3) کمار سنبھو (مہا کاویہ) (4) رگھوونش (مہا کاویہ)

ڈرامے: شاکنتلم (شاکنتلا) (6) وکرم اُروشی (7) مالوی کا گنی مترم

میں نے 1960 میں میگھ دوت کا منظوم ترجمہ کیا تھا جو غالباً 1960 یا 1962 میں مشورہ پاکٹ بکس میں شائع ہوا اور یونین بک اسٹال بندر روڈ کراچی سے بھی اس کی دستیابی ممکن ہو سکی۔ ان دو اشاعتی اداروں کے توسط سے ان کے مالک تک بھی پہنچا جہاں اردو داں طبقہ ادب میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اس منظوم ترجمے کو توقع سے کہیں زیادہ سراہا گیا۔

'کالیداس اکادمی' کے ویدک پروفیسر مرحوم پدم شری بچولال اوستھی جو سنسکرت کے 33 علماء میں سرِ فہرست رہے، انھوں نے اُس منظوم ترجمے کے ابتدائیہ پر جو 'سحر صاحب کی میگھدوت' کے عنوان سے تھا میں لکھا کہ جس طرح سحر صاحب نے کالیداس کو سمجھا اور کالیداس نے کس شلوک میں کیا کہا، اُسے سحر صاحب نے سمجھ کر وضاحتی انداز میں بیان کر کے ایک زبردست کام کر دکھایا ہے ان کے اس ترجمے کے بعد ہمیں ان ترجموں کو بھول جانا چاہیے جو اب تک ہو چکے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی درخواست کی کہ کالیداس کی تمام تخلیقات کا ترجمہ سحر صاحب سے کروایا جائے — ! اور کالیداس اکادمی نے تحریری طور

پر مجھ سے یہ درخواست بھی کی تاکہ انھیں دیوناگری لپی میں شائع کیا جا سکے۔

میں نے نئے سرے سے 'میگھ دوت' کے منظوم ترجمے میں زبان کی آسانی پر توجہ دے کر اُسے مکمل کیا۔ رتو سنہار کا منظوم ترجمہ کیا اور 'کمار سنبھو' جو عظیم شاعری کی ذیل میں آتا ہے اور جس کا منظوم ترجمہ کسی بھی زبان میں نہیں ہو سکا، اُسے کر دکھایا۔ کالیداس اکادمی میں ان منظوم ترجموں کو پیش کر دیا گیا جو دیوناگری رسم الخط میں شائع ہونے کے لیے اُن کے اشاعتی پروگرام کا حصہ بنے اور اچانک غائب ہو گئے۔ دوسری اور تیسری مرتبہ مانگنے پر، پھر اشاعتی پروگرام میں لیے گئے اور پھر غائب ہو گئے۔ میڈیا نے اس پر سوال بھی اٹھائے ہیں۔

'میگھ دوت' تو آپ کے ہاتھوں میں ہے ہی 'رتو سنہار' اور 'کمار سنبھو' کے کچھ شلوکوں کے منظوم ترجمے میں آپ تک پہنچا رہا ہوں اس لیے کہ پتہ نہیں 'رتو سنہار' اور 'کمار سنبھو' کے نصیب میں ان کی اشاعت ہے یا نہیں یا یہ کہ انھیں اوراقِ پریشاں میں تبدیل ہو کر اپنا وجود کھو بیٹھنا ہے۔

کلاسیکی سنسکرت ادب کا مطالعہ ہمیں سینکڑوں اور ہزاروں سال پیچھے کے ماضی میں لے جاتا ہے جس میں بہت کچھ یا سب کچھ نیا ملتا ہے یا جس کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ وہ عہد کیسا تھا، اس کے تقاضے کیا تھے؟ موسموں کا مزاج کیسا تھا؟ موسموں کی مزاجی تبدیلیوں سے جسموں پر، لباسوں پر، آرائشوں پر، خیالات اور جذبات پر، محلوں اور مکانوں پر، طور طریقوں پر، جانوروں، پرندوں اور درختوں پر اور کل ملا کر جنگلوں تک پر پڑنے والے اثرات سے رونما ہونے والی تبدیلیوں کا علم حاصل ہونا بھی ایک بڑی بات ہے۔

چاہے وہ میگھ دوت ہو یا رتو سنہار۔ موضوع کے انتخاب سے لے کر شعری پیکر تراشی تک اظہار کے جس نئے پن، اور جس زبردست انفرادیت کا ثبوت کالیداس نے دیا ہے وہ اپنے آپ میں مثالی حیثیت کا درجہ رکھتا ہے۔

'رتو سنہار' چھ رتوں پر مشتمل شعری تخلیق ہے۔ وہ چھ رتوئیں مندرجہ ذیل ہیں:

(1) گریشم رتو (2) ورشا رتو (3) شرد رتو

(4) ہیمنت رتو (5) شیشر رتو (6) وسنت رتو

پدم شری پنڈت سوریہ نارائن ویاس نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ چھ رتوئیں صرف

مالوے میں ہی پائی جاتی ہیں۔

ایک کے بعد ایک رُت آتی ہے تو وہ کیا گُل کھلاتی ہے آیئے چند شلوک آپ کی ادب نوازی کی نذر ہیں: ''رتو سنہار''

گریشم رتو

تلخیص

میرے محبوب! سُلگتے ہوئے دن آپہنچے

آگ جلتے ہوئے سورج سے برس اُٹھی ہے
لوگ گھبرائے ہوئے رہتے ہیں اس موسم میں
سرد پانی میں اُترتے ہیں نہانے کے لیے
یوں بھی ہوتا ہے کئی بار نہا لیتے ہیں
چاہے نالے ہوں کہ جھرنے ہوں کہ ندیاں، تالاب
اُن کے پانی کو یہ کچھ اور گھٹا دیتے ہیں
لوگ جی بھر کے نہانے کا مزہ لیتے ہیں
چاند اور چاندنی ہر ایک کے من بھاتی ہے
چاندنی رات بدن سرد لیے آتی ہے
اور جلتے ہوئے جسموں میں اُتر جاتی ہے
گرمیِ عشق میں باقی نہیں رہتی گرمی
خواہشِ وصل میں وہ بات نہیں رہتی ہے

جو بھی دریائے محبت ہے اُتر جاتا ہے
عشق کا دیوتا خاموش نظر آتا ہے

●

دھوپ میں تپتا ہوا دھول کا جھلسایا ہوا
سانپ، مونہہ اپنا جھکائے ہوئے پھنکارتا ہے

مشکلوں سے یہ سرکتا ہوا پہنچا ہے یہاں
اور طاؤس کے پنکھوں کے تلے (سائے میں)
ایک کنڈلی سی بنائے ہوئے یوں بیٹھا ہے
جیسے طاؤس کا کچھ خوف نہیں ہو اُس کو!
اتنی شدّت کی تمازت ہے کہ طاؤس اُسے
چھیڑتا ہے، نہ اُلجھتا ہے نہ کھاتا ہے اُسے

وقت نے دن یہ دکھا ڈالا ہے ویرانی میں
دشمنی بھول کے بیٹھے ہیں پریشانی میں!

●

اب تو جنگل بھی بھیانک ہی نظر آتے ہیں
دھوپ کی آگ میں جل جل کے مرے جاتے ہیں!
ہر کہیں سبز بدن گھاس جلی بیٹھی ہے
ٹہنیاں جھلسی ہوئی، شکل میں بے حُسن ہوئیں
چشمۂ آب یوں سوکھے ہیں کہ پانی نہ رہا

صرف پُرہول بدن آندھیاں اٹھلاتی ہیں
خشک پتّوں کو اُڑاتی ہوئی لے جاتی ہیں!

●

رات میں اُجلے مکانوں کی چھتوں پر اکثر
چین سے سوئی ہوئی روپ وتی کامنیاں
جن کے چہرے سے چمک اٹھتی ہیں کالی راتیں
چاند حیرت زدہ آنکھوں سے اُنھیں تکتا ہے
آپ ہی شرم کے احساس سے پیلا پڑ کر

اپنی تسکین کے اسباب کو جھٹلاتا ہے
ڈوبتی شب میں دُکھی ہو کے چلا جاتا ہے

•

اپنی اُن سے جو بہت دور ہیں پردیس میں ہیں
جن کی تقدیر میں جلتی ہوئی تنہائی ہے
جب وہ اٹھتی ہوئی آندھی کی طرف دیکھتے ہیں
جب وہ تپتی ہوئی دھرتی کی طرف دیکھتے ہیں
اُن سے کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں دیکھا جاتا!

وقت وہ آن پڑا ہے کہ نظر جلتی ہے
جو اُدھر آگ لگی ہے وہ اِدھر جلتی ہے

•

شوخ جذبات کی ماری یہ حسینائیں ہی
اپنے، گرمی سے ستائے ہوئے بے چینوں کو
اِن طریقوں سے سکوں بخش دیا کرتی ہیں

اپنے اُبھرے ہوئے، نازک کمری حصّوں پر
جن پہ اک ریشمی کپڑا سا پڑا ہوتا ہے
کر دھنی چاروں طرف جن پہ سجی رہتی ہے

صندلی لیپ لگا لیتی ہیں پستانوں پر،
ہار پھولوں کے پہن لیتی ہیں ارمانوں پر،
اپنی زلفوں کی سیہ رات کو مہکاتی ہیں
غُسل کے بعد جو کچھ اور نکھر آتی ہیں!

گرم راتوں میں حسینوں کے سویرے ہیں یہی
بے قراروں کو سکوں بخش طریقے ہیں یہی

●

گرم موسم میں یہ زیرینہ اُبھاروں والی!
مہ وشیں، اپنے مہاور سے رچے پیروں میں
چاند سے روپ کے بچھوؤں کو پہن لیتی ہیں
راج ہنسوں کی طرح چلتی ہیں اٹھلاتی ہیں!
چاہتی ہیں کہ اُدھر اُن پہ اثر ہوجائے!
اُن کی سنگیت بھری چال سے یوں ہوتا ہے

لوگ جذبات کے طوفان میں جی جاتے ہیں
جسم سے جسم تلک آگ سی پی جاتے ہیں

•

اِن دنوں بیاہی ہوئی شوخ حسیناؤں کے
برف سے اُجلے، مہکتے ہوئے ہاروں سے سجے
اور صندل لگے اثمارِ فروغ آشنا کو،
کر دھنی لپٹے ہوئے ابھرے ہوئے حِصّوں کو
دیکھ کر حسن و جوانی سے سجے جسموں کو
کس کا دل ان پہ فدا ہو کے نہ للچائے گا

عشق للچائی ہوئی آگ میں جل اٹھتا ہے
دل وہ پتھر ہے جو ٹھنڈک میں پگھل اٹھتا ہے

•

پیہو پیہو کی صدا والے پپیہے پیاسے
جن سے پانی کے طلبگار ہیں بادل ایسے
آب کا بوجھ اٹھائے ہوئے جھکتے جھکتے،
اور گرجتے ہوئے نغمات کا رس برساتے

اپنی آہستہ روی سے یہ اِدھر آئے ہیں
ہر طرف جم کے برسنا ہے تو گھر آئے ہیں!

•

جیسے مردنگ بجیں ایسے گرجتے بدل،
ڈور بجلی کی حسیں قوسِ قزح پر تانے
تیکھی دھاروں کے نئے تیروں کو برساتے ہوئے
اُن کے دل چھیدنے آئے ہیں جو پردیس میں ہیں

دوریاں دور سے سب دیکھ کے خوش ہوتی ہیں
صرف یادیں ہیں جو فرقت میں بہت روتی ہیں

•

رس بھری کھنکی ہوئی بولیوں والے طاؤس
جو گرجتے ہوئے میگھوں پہ فدا رہتے ہیں!
اب گرجتے ہوئے میگھوں پہ فدا ہو ہوکر ،
اُن کے بھیگے ہوئے جلووں کے تھرک اُٹھنے پر
اپنے پر کھول کے حد درجہ حسیں لگنے پر ،
اپنی منظورِ نظر مورنیوں سے مِل کے ،
اُن کے بیتابیِ جذبات میں بوسے لے کے

دوریاں بھول کے اک جشن منا اُٹھے ہیں
عالمِ رقص میں قربت کو سجا اٹھے ہیں!

•

وہ ہری دوب غزالوں نے جسے کُترا تھا
اُس ہری دوب سے سربز نظر آتے ہوئے
کونپلوں والے درختوں سے سجے .اور گھنے
وندھیاچل کے یہ دلکش یہ سہانے جنگل
اتنے دلکش ہیں کہ دل چھین رہے ہیں سب کے

تازگی، تازہ مزاجی کی ہو ہلچل کوئی
ایسا لگتا ہے کہ جنگل میں ہو منگل کوئی

••

رنیاں سُن کے گرجتے ہوئے بادل کی صدا
اور بے تاب سی ہو جاتی ہیں بے قابو بھی!
دل میں جذبات کی ہلچل لیے دھیرے دھیرے
تھوڑے چھپ چھپ کے ملن سکھ کے تقاضے لے کر
رات کے گہرے اندھیرے میں نکل پڑتی ہیں

ایک بجلی ہے جو رہ رہ کے چمک جاتی ہے
اور یہ راہ کو پہچان کے کچھ تیز قدم ،
اُن کے گھر دور ہوں، پھر بھی یہ پہنچ جاتی ہیں!

یہ ملن سُکھ کا تقاضہ بھی بُرا ہوتا ہے
ڈر تو لگتا ہے مگر دل بھی کُھلا ہوتا ہے

●●

زور سے جب بھی گرج اٹھتے ہیں کالے بادل
بجلیاں زور سے جس وقت چمک اٹھتی ہیں
نیند سے چونک کے گھبرا کے یہی کامنیاں
خود گنہگار پریتم سے لپٹ جاتی ہیں!
یوں بھی برسات کے موسم میں ہوا کرتا ہے

چاہے جو بھی ہو سمٹ جاتا ہے قصہ اُن کا
جسم کی آگ میں جل جاتا ہے غصہ اُن کا!

●

جن کے پردیس میں شوہر ہیں وہ ''شب آرائیں''
اب ہم آغوشیِ شوہر کو ترس اُٹھی ہیں!
بمب پھل جیسے شفق رنگ سے رُخساروں پر
پنکھڑیوں جیسے نئے نرم حسیں ہونٹوں پر
یہ کمل نین نئے اشک بہا اُٹھی ہیں!
اب یہ اُبٹن بھی لگاتی نہیں سجتی بھی نہیں
ہار اور دوسرے گہنے بھی علیحدہ کر کے،
گال پر اپنا حسیں ہاتھ دھرے بیٹھی ہیں!

دوریاں، حُسن کی مجبوریاں بن بیٹھی ہیں
جو دبی رہتی تھیں تنہائیاں، تن بیٹھی ہیں!

●

وہ بیاہی ہوئی انگوں کی سُکھی کامنیاں
صندل و عود جو انگوں پہ ملے بیٹھی ہیں!
پھول بالوں میں لگائے ہوئے مہکی مہکی!
دیکھتی ہیں کہ گرج اُٹھے ہیں، کالے بادل
ٹھیک ایسے میں انھیں یاد دلاتا ہے شباب
''آرزو صبر طلب اور تمنا بے تاب''
تب سرِ شام تمناؤں کے بہکانے پر،
اپنے گھر کے بڑے بوڑھوں سے بچا کر دامن

اُن کے نزدیک جو بیٹھی ہوں تو اُٹھ جاتی ہیں
اور دبے پانو شبستاں میں چلی آتی ہیں!

●

اور یہ زیرِ کمر اُبھرے اُبھاروں والی،
مہوشیں، اپنے مہاور سے رچے پیروں میں
چاند سے روپ کے بچھوؤں کے پہن لینے پر
راج ہنسوں کی طرح چلتی ہیں اٹھلاتی ہوئی
چاہتی یہ ہیں کہ بن جائے کوئی بات نئی

اُن کے جذبات بھڑک جائیں یہی چاہتی ہیں
جو اُدھر ہیں وہ اِدھر آئیں یہی چاہتی ہیں!

●

شرد رِتو

زیب تن کاش کی نکھری ہوئی پوشاک کیے
مست ہنسوں کی حسیں بولیاں ہمراہ لیے
چند گھنگھروؤں سجے پانو میں بچھوے پہنے
اور پکے دھان کی مانند جواں جسم لیے!
یہ حسیں تازہ کنول کی طرح چہرے والی،
روپ کی رانی، نئی بیاہی ہوئی شرد رتو
ناز و انداز دکھاتی ہوئی آپہنچی ہے

دیکھنا یہ ہے کہ کیا گُل نئے کِھلوائے گی!
جلوہ آراؤں کے کس جشن میں لے جائے گی!

•

وہ جو پہلے ہی برس بھی چکے، اب ہلکے ہیں
اور ہوا لے کے اِدھر اور اُدھر پھرتی ہے
شنکھ، چاندی و کنول رنگ کے جیسے بادل
نیلے آکاش میں پھرتے ہیں تو یوں لگتے ہیں
جیسے آکاش کوئی راجہ مہاراجہ ہو ــ،
اور اُڑتے ہوئے بدل ہوں جھلے جاتے چنور ــ!

•

ہلکے پھیلے ہوئے کاجل کی طرح نیلا فلک
اور بندھوک کے پھولوں سے شفق رنگ زمیں
پھر کہیں دھان بھرے کھیت کہیں ٹیلے بھی

قدرتی حسن کی پھیلی ہوئی تیاری میں
سب کو لے لیتے ہیں یہ اپنی اثر داری میں

••

اس حسیں رت میں یہ ندیاں بھی اُسی سج دھج سے
ناز فرماتی ہوئی بہتی چلی جاتی ہیں ۔!
جس طرح زیرِ کمر بھاری اُبھاروں والی
ہار اور کردھنی پہنے ہوئے اٹھلا کے چلیں!
کیوں کہ ندیوں کی حسیں کردھنی وہ مچھلیاں ہیں
جو اُچھلتی ہیں، پھڑکتی ہیں، صدا بنتی ہیں!

اُجلی چڑیوں کی قطاریں ہیں، حسیں ہار اُن کے
ریت کے اُبھرے ہوئے ٹیلے ہیں کولھے اُن کے

نازنینوں کی جوانی سی جواں ہیں ندیاں!
اپنی آسودہ روانی میں رواں ہیں ندیاں!

•

رات یہ ابر ہٹے چاند سے مکھڑے والی
یہ ستاروں کے چمکتے ہوئے گہنوں سے سجی!
چاندنی کی نئی اُجلی، حسیں، چُنری اوڑھے
اِس طرح سجنے جواں ہونے لگی ہے جیسے،
ایک البیلی، حسیں، چھوکری دن دن بڑھتی،
اور جوانی سے گلے ملتی چلی جاتی ہو!

•

اب نہ برسات کی بجلی کی چمک ہے ان میں
اب نہ وہ قوسِ قزح والے ہی بادل ہیں (نہ میگھ)
اب نہ وہ پنکھ ہلاتے ہوئے بگلوں کا ہجوم!

آسماں صاف ہے جو بات تھی وہ بات کہاں
اب وہ برسات کے بھیگے ہوئے لمحات کہاں

•

آج جنگل بھی چمن زار بنے بیٹھے ہیں!

جن میں شیفا کے نئے پھولوں کی مہکاریں ہیں
چہچہاتی ہوئی چڑیوں کی ہے بزم آرائی
ہرنیاں نیل کنول جیسی حسیں آنکھوں کی
مونہہ چلاتی ہوئی پگراتی نظر آتی ہیں!

لوگ ایسے بھی مناظر میں اٹک جاتے ہیں

دل بھی کچھ زور سے پہلو میں دھڑک جاتے ہیں

●

صبح پتّوں پہ پڑی اوس گرانے والی!
یہ ملکّ 'کوکا' کو چھوتی ہوئی ٹھنڈی ہوتی
اور آہستہ سے چلتی ہوئی خوشبوئی ہوا

تازگی، تازہ مزاجی سے عطا کرتی ہے
جو بھی ہوں، جیسے بھی ہوں، سب سے وفا کرتی ہے

●

اِس حسیں رت میں بہت سوں کا چلن بدلا ہے

اب تو ہنسوں نے حسینوں کی حسیں چال کو اور
شوخ کملینیوں نے چاند سے چہروں کو اور
نیلے کملوں نے نشیلی سی جواں آنکھوں کو
چھوٹی لہروں نے پھڑکتے ہوئے اُن ابروؤں کو

اپنی سج دھج سے، ادا بازی سے، تیاری سے
حاشیے پر اُنھیں لے آئے ہیں ہُشیاری سے

●

عورتیں گہری سیہ اور گھنی زلفوں میں
مالتی کے نئے پھولوں کو پرو اُٹھی ہیں!
اور گنڈل (بڑے بالوں) کی جگہ کانوں میں
مختلف نیل کنول پہنے ہوئے پھرتی ہیں!
اپنے آرائشی انداز بدل بیٹھی ہیں!

اِن دنوں خود کو سجانے کے طریقے ہیں یہی
جانتی ہیں کہ لبھانے کے طریقے ہیں یہی!

●

جن ہری بیلوں پہ بارِ گُلِ خوش رنگ ہے اب
اُن ہی خم آشنا گلپوش حسیں شاخوں نے
ایسی بانہوں کے جواں حُسن کو اب چھین لیا
جو حسیناؤں کے گہنوں سے سجا رہتا تھا!

کیتکی اور نئی مالتی کے پھولوں نے!
موتیوں جیسے چمکتے ہوئے دانتوں سے سجے
نازنینوں کے تبسم کو ہرا ڈالا ہے
جو چمکتے ہوئے دانتوں سے سجا رہتا ہے

اس طرح اُن کی ہی تیاریاں اُن سے لے لیں
لگ گئیں ہاتھ جو دلداریاں، اُن سے لے لیں

ان دنوں بیاہی ہوئی کام وتی ''گُل کارائیں''
کن تمناؤں سے اثمار کے اُبھرے پن پر
قیمتی موتیوں کے ہار پہَن لیتی ہیں!
اور کچھ سوچ کے صندل بھی لگا لیتی ہیں!
کردھنی بھاری اُبھاروں پہ سجا لیتی ہیں!
پھر کنول جیسے (جو نازک ہیں) اُنھیں پیروں میں
ایسے بچھوؤں کو پہنتی ہیں جو چھم چھم بھی کریں

اس شرد رت میں یوں سنگھار بدل جاتے ہیں
خلوتِ قُرب میں ارمان نکل جاتے ہیں!

وصل اور کیفیت وصل کی آسودہ مزاج!
جی بھرا تھا، نہ بھرا ہے نہ بھرے گا جن کا!

اپنے چہروں کو سجاتی ہیں کئی رنگوں سے
اپنی سکھیوں کی جواں بزم کی زینت بن کر
راز کی بات کو ہنس کر یوں بیاں کرتی ہیں!

"رات کو ہم نے یوں سنگھار کیا یوں مہکیں
رات یوں کیفیتِ وصل نے لوٹا ہم کو،
رات یوں قربتِ محبوب نے احسان کیا"

●

ہیمنت رِتو

اب یہ موسم جو بہت سرد بہت ٹھنڈا ہے

ایسے موسم میں یہی گرم بدن والیاں سب
لعل و گوہر جڑی سونے کی حسیں کردھنیاں
اپنے اُبھرے ہوئے حصوں پہ نہیں باندھتی ہیں!
ہنس روپی کھنک آمیز چمکتے بچھوے
یا وہ پایل ہو یا کچھ اور، پرے رکھتی ہیں!

جن سے تکلیف پہنچ سکتی ہو اس سردی میں
زیب تن کچھ نہیں کرتی ہیں وہ شب بستی میں

جو دیہاتوں کے کناروں پہ ہیں وہ دھان کے کھیت
(سرحدیں جن کی دیہاتوں سے لگی بیٹھی ہیں)
لہلہاتے ہوئے خوش رنگ سے اُن کھیتوں میں
چوکڑی بھرتے ہوئے مست غزالوں کے ہجوم
اور ہنسوں کی کھنکتی ہوئی آوازوں کی دھوم
اپنی اپنی کششِ حسن سے آراستہ ہیں!

رونقیں تازگیوں کے نئے منظر میں ہیں
دیکھنے والوں کے دل کھیت نما گھر میں ہیں

جانِ من! برف بھری، چبھتی ہوئی سرد ہوا

جس پکی (چمپئی) پرینگ لتا سے اُلجھی
کنپکپایا اُسے حیران و پریشان کیا۔ !
اب وہ پرینگ لگا زرد بدن لگتی ہے یوں
جس طرح عیش طلب چاند سے مکھڑے والی
اپنے شوہر سے بچھڑ جانے پہ پیلی پڑجائے
اور (مرجھائے ہوئے) چہرے کی رنگت اڑجائے
اپنے بھرپور زمانے میں اکیلی پڑجائے

موسمی سرد مزاجی جسے ٹھنڈا کردے
جو ہو ایسی تو اسے اور بھی ویسا کردے

☆

رات بھر جشنِ شبِ وصل منانے والی
پھر کنول چہرے کی آرائش تازہ کرنے
صبح کی دھوپ میں آئینہ لیے بیٹھی ہے

اور اس گرم بدن دھوپ کی تنہائی میں!
اپنے اُن ہونٹوں کو کچھ کھینچ کے دیکھ اُٹھی ہے
اُس کے محبوب نے جن رنگ بھرے ہونٹوں پر
چند معمولی سے زخموں کے نشاں چھوڑ دیئے

زخم آسودہ لبوں کو ہے تمنا اب بھی!
مہرباں ہو کے ہمیں چاہ لیں چاہے جب بھی

●

اس طرف دوسری خوش بختِ شب آسودہ بھی

کام اِچھاؤں کی تنہائی میں ہنسنے والی!
بسترِ عشق پہ جی بھر کے مچلنے والی —!
رات بھر سو نہ سکی صبح ہوئی تھک سی گئی!
اپنے کالے گھنے بکھرے ہوئے بالوں کو لیے
سرخ آنکھوں میں شبِ وصل کا قصہ لے کر
ہاتھ پیروں کو اداؤں سے ذرا پھیلا کر،
صبح کی دھوپ کی من بھاتی ہوئی گرمی میں

سوگئی چین سے تھک ہار کے سونے والی
اپنے دشتِ شبِ زندہ کو نچونے والی!

اپنی اچھائیوں والی یہی ہیمنت رتو!
یہ شب آراؤں کے تن من کو چرانے والی!
گانو کے پاس لگے دھان بھرے کھیتوں کو
لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں بدلنے والی!
سارس اور دوسرے جتنے بھی پرندے ہیں وہاں،
اُن کی آواز میں سنگیت جگانے والی!
اوس اور برف گراتی ہوئی ہیمنت رتو!

آپ کی آرزوئیں پوری کرے سکھ بخشے
سرد موسم میں بدن گرم رکھے سکھ بخشے!

●

شیشر ورِتو

آج کل وقت کچھ ایسے بھی بتاتے ہیں لوگ

سرد صبحوں میں وہ سب دھوپ میں آ بیٹھتے ہیں
موٹے کپڑے یوں پہنتے ہیں کہ سردی نہ لگے
شام سے رات تلک برف بھری سردی میں
کھڑکیاں بند مکانات کے اندر رہ کر،
لوگ کچھ دیر سہی تاپ لیا کرتے ہیں!
جو بہت گرمیٔ جذبات و بدن گرم کی ہیں
اُن کے جسموں کی حرارت سے لپٹ جاتے ہیں

سرد لمحات سے بچنے کے ذریعے ہیں یہی!
آج کل وقت گزاری کے طریقے ہیں یہی!

ان دنوں! ان میں سے اچھا جو نہیں لگتا ہے

صندلی لیپ کہ جو چاند سے بھی ٹھنڈا ہو
(چاند کی کرنیں جسے سرد بنا دیتی ہوں)
اُجلے محلوں کے مہکتے ہوئے ٹھنڈے کوٹھے
اور کہرے بھری (کہرائی ہوئی) سرد ہوا!
چاند کی چاندنی یا چاند کی ٹھنڈی کرنیں

اس لیے اوڑھے ہوئے پہنے ہوئے رہتے ہیں
قربتوں میں بھی ملن سُکھ سے بچے رہتے ہیں

•

ان دنوں برف گراتی ہوئی بے حد ٹھنڈی
کڑکڑاتے ہوئے جاڑے سے ستانے والی
سوئیاں چاند کی کرنوں کی چُبھانے والی
چمپئی تاروں بھری رات پسندیدہ نہیں
اک ذرا دیر نہیں چھوڑتا بستر کوئی!
بند کوٹھوں سے نکلتا نہیں باہر کوئی!
رات ایسی نہیں ہوتی کہ کوئی بات بنے

اِس لیے کوئی نہیں رہتا طلبگاری میں!
صرف سردی ہی لگی رہتی ہے تیاری میں!

●

جو گُلوں سے ہیں کشیدہ وہ شرابیں پی کر
پان کھاتی ہیں سجا لیتی ہیں ہونٹوں کو بھی!
خوشنما ہار پہنتی ہیں سنور جاتی ہیں!
جب ملن سکھ کی وہ تیاریاں کرلیتی ہیں
اپنے بے چین ارادوں کو بھی وہ ساتھ لیے
صندلی، مہکے دھوئیں والے شبستانوں میں
عیش کرنے کے ارادوں سے پہنچ جاتی ہیں

اپنی جانب سے نہ رہ جائے کمی، بہتر ہے
باقی ہر بات تو برفائی ہوئی شب پر ہے

●

رات کے وقت بڑے چاؤ سے ارمانوں سے

رمنیاں، چندر مکھی، کام وتی، کامنیاں
اپنے رنگین مزاجوں کو طلبگاروں کو
اُن کی تنہائی میں، ان کی ہی رضامندی سے
جن کی خوشبو سے مہک اٹھتی ہیں سانسیں اُن کی
اور سانسوں سے شرابوں میں کنول ہلتے ہیں
جن کے پی لینے سے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں
اُن شرابوں کو بڑے شوق سے پی ڈالتی ہیں

کس قیامت کی بنی ہیں کہ قیامت پی کر
آگ بن جاتی ہیں خود آگ کی شدّت پی کر

سونے کے کنولوں کی مانند دمکتے چہرے
سُرخ لب، تازہ گلابوں کی طرح اور آنکھیں
کالی کجراری لکیروں سے سجیں، بال گھنے
اپنے شانوں پہ ادابازی سے بکھرائے ہوئے
گول چہروں کی تب و تاب میں حددرجہ حسیں
عورتیں! صبح میں یوں جلوہ نما ہوتی ہیں

دیکھ کر اُن کو یوں لگتا ہے گھروں میں جیسے
لکشمی آن بسی ہو نئے جلوے لے کے

●

اور اس رُت میں پسندیدہ ہے رس گنّے کا
انکھ، چاول کے نئے بھات، مٹھائی گڑ کی
ان سے ہر رات میں موئہہ میٹھا ہوا کرتا ہے!
قربتیں خاص ملاقاتیں بڑھا دیتی ہیں!
وصل کی خواہشیں حد درجہ بھڑک اٹھتی ہیں

اور جو ہمسفرِ شب سے بہت دور ہیں وہ
ہجر کی رات مَیں من مار کے رہ جاتے ہیں
ایسی شیشر رتو، یہ سرد بدن، برفیلی

اُن کو فرقت زدہ لمحات سے چھٹکارہ دے
آپ سب کو، بھی سکوں بخش ملن سُکھ بخشے

●

جانِ من! اپنی نگاہوں کو ذرا زحمت دو!

اپنی مہکی ہوئی رنگین کماں کو لے کر
آم کی منجریوں والے نکیلے ناوک،
رکھ کے بھنوروں کی قطاروں کی سیہ ڈوری پر
یہ نڈر، عشق اثر، ویر بسنت آپہنچا!
خاص کر ایسوں کے دل چھیدنے آیا ہے کہ جو

خاص لمحوں کی ملاقات بہت چاہتے ہیں
اُن سے، جن کو وہ بہت جانتے پہچانتے ہیں

جان من ! دیکھ رہی ہو کہ بسنت آتے ہی

اب کنول کِھل اٹھے پانی کی سجاوٹ بن کے
وصل کے شوق میں گلنار ہوئیں گلبدناں
پھول کھلنے لگے اشجار بھی گل پوش ہوئے
شام میں حسن تو خوشبوئیں ہواؤں میں گھلیں
دل سلونے تو شبیں زلف گرہ گیر بنیں!

واقعی حسن و مہک بار زمانہ ہے بسنت
تب ہی لگتا ہے سُہانا کہ سہانا ہے بسنت!

موسمِ گُل کے قدم پڑتے ہی یوں ہوتا ہے

اِن دنوں باوڑیوں، جھیلوں کا ٹھنڈا پانی،
منجری سے لدی آموں کی لچکتی شاخیں!
چاند کی چاندنی، ہیروں جڑی کر دھنیاں اور
موتیوں والے وہ بندھن کہ کمر بند ہیں جو

یہ بسنت اُن کو نیا حسن عطا کرتا ہے
جن میں جو خوبیاں ہیں اُن میں رَہا کرتا ہے

•

بیگماتِ حرمِ عشق بسنتی رت میں
چولیاں مُشکِ رنگی جارجٹ پہنتی ہیں
نکہتی، سرخ کُسُم پھولوں کے رنگوں میں رنگی
ساڑیاں پہن کے زیبائشی ہوجاتی ہیں

تن نہیں بدلا ہے، بدلا ہے تو من بدلا ہے
رُت بدلنے سے حسینوں کا چلن بدلا ہے

•

بن سنورنے کے طریقوں میں نیا پن یوں ہے

کانوں میں پہنے نظر آتی ہیں گلہائے کنیر
اور زلفوں میں چنبیلی کی مہکتی کلیاں!
اور گھنگھرالی لٹوں میں نئے گلہائے اشوک

وقت کے ساتھ بدلنے کی چلن والیاں یہ!
خود بھی گلشن بنی پھرتی ہیں چمن والیاں یہ!

•

لوگ دن میں تو درختوں کے گھنے سائے میں
رات میں چاند کی کرنوں سے سکوں پاتے ہیں
شب گذاری کے لیے چھت پہ چلے جاتے ہیں
اور جب رات ذرا سرد سی ہوجاتی ہے
اُن کو سینے سے لگائے ہوئے سو جاتے ہیں!

جلوۂ خلوتِ شب تاب بھی گھٹ جاتا ہے
جشنِ دشتِ شبِ زندہ بھی سمٹ جاتا ہے

•

ان دنوں عورتیں السائی ہوئی رہتی ہیں!

آئینہ خانے کی تنہائی میں تنہا جاکر،
مُشک و چندن سے بنایا ہوا اَثمار کا لیپ
اپنے اثمار اُبھاروں پہ لگا لیتی ہیں!

تجربہ کار، سمجھدار ہیں، پہچانتی ہیں!
کس کو کب کام میں لانا ہے یہ سب جانتی ہیں

•

کونپلیں پھوٹے ہوئے سرخ بہت سُرخ اشوک
جیسے مونگے کی طرح پھول کھِلے ہیں اُن کو
یہ نئی عمر و جواں جسم کو جب دیکھتی ہیں،

دل میں اک ٹیس سی اُٹھتی ہے ملن سُکھ کے لیے
کیوں کہ موسم یہ نہیں ہوتا کسی دُکھ کے لیے !

•

اپنے منظورِ نظر ماہ وشی مکھڑوں پر،
وہ جو ریجھے ہوئے دیوانوں کے دل ہیں اُن پر
طائرِ سبز کی منقار کی سُرخی کی طرح —،
سُرخ ٹیسو کے گلوں نے تو ستم ڈھایا تھا —،
پھر جلاتی بھی رہی آتشِ گلہائے کنیر —،
اُس پہ کوئل کی مدھر کوک بھی ڈستی ہے اُنھیں

دل کے شیشے کئی ٹکڑوں میں بکھر جاتے ہیں
لوگ خود اپنی ہی تنہائی سے ڈر جاتے ہیں!

•

مست و مدہوش سے نر کویلوں کی کُؤ کُؤ نے
گُنگناتے ہوئے اور مست سیہ بھنوروں نے
اب گُل انگناؤں کو (جو اچھے گھروں والیاں ہیں
مان مریادا میں جو سنبھلی ہوئی رہتی ہیں)
شرم اور نرم مزاجی بھی ہے زیور جن کا،

اُن میں کجلائے سے انگاروں کو دہکایا ہے
اُن کی چاہت کو تمناؤں نے اُکسایا ہے

•

چوٹیاں، سبز پہاڑوں کی جو گُل پوش ہیں اب
ہر طرف پھیلے درختوں پہ ہے پھولوں کا ہجوم
وادیاں! اُن کی جو پتھریلی چٹانیں ہیں وہ اب
آپ اپنے میں بہت خوب بہت دلکش ہیں!
کوئلیں کوک رہی ہیں تو کہیں پر بھنورے
گُنگناتی سی قطاروں میں نظر آتے ہیں!

ان مناظر میں سکونِ دلِ بے تاب تو ہے
کچھ نہ تھا جن میں اُن آنکھوں میں کوئی خواب تو ہے

●

بیویوں سے جو بہت دور ہیں پردیس میں ہیں
جب وہ منجری لدے آموں کے درختوں کے اُدھر
دیکھتے ہیں تو برس اٹھتی ہیں آنکھیں اُن کی
خوشبوئیں یاد دلاتی ہیں حسینوں کی مہک
دل غمِ فرقتِ محبوب سے بھر آتا ہے،
اور وہ سسکیاں لیتے ہوئے رو پڑتے ہیں!

کون، کب، کس کے لیے آہ و فغاں کرتا ہے
آگ جب دل میں لگی ہو تو دھواں اٹھتا ہے

●

ملیّہ چل کا پون ویگھ ہے جس کا ساتھی،
ڈور بھنوروں کی تو ٹیسو کی کماں ہے جس کی،
آم کے بور ہیں مہکے ہوئے ناوک جس کے،
کویلیں مدح سرا ڈومنیاں ہیں جس کی
عشق کا دیوتا ہمراہ جسے رکھتا ہے ـــ!
یہ امنگوں بھرا مہکا ہوا گلپوش بسنت
آپ کا دامنِ امید نہ رکھے خالی ـــ،

دوریاں دور رہیں قربتیں نزدیک رہیں
کام دیو اور بسنت آپ کا کلّیان کریں

کمار سنبھو، مہا کاویہ (عظیم شاعری) کے ذیل میں آتا ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے اتنا جاننا ضروری ہے کہ یہ کس موضوع سے تعلق رکھتا ہے اس کا بنیادی موضوع بھگوان شیو شنکر (مہادیو) اور پاروتی ہیں۔

ہمالہ پہاڑ، اپنے پھیلاؤ اور بلندی کے ساتھ ساتھ مختلف آب و ہوا، معدنیات اور جڑی بوٹیوں کی وجہ سے دیگر پہاڑوں کے مقابلے میں اپنی ایک علیحدہ شناخت رکھتا ہے۔ اس عظیم طول وعرض والے بلند پہاڑ کی اہمیت یوں اور بڑھ جاتی ہے کہ مذہبی باتیں بھی اس سے وابستہ ہیں۔

ہمالے راج کی شریک زندگی کا نام مینا تھا۔ ان کی دو اولادوں میں لڑکے کا نام مینا اور لڑکی کا نام پاروتی تھا۔ یہ پاروتی اپنے پچھلے جنم میں دکش پرجاپتی کی دُختر اور بھگوان شیو کی شریک حیات (بیوی) تھیں۔ نام ستی تھا اور پچھلے جنم میں اپنے والد دکش کے قابلِ اعتراض رویّے سے اپنے شوہر کی شان کے خلاف کہی گئی باتوں کو برداشت نہ کر سکی تھیں اور خودکشی کر لیتی ہیں۔

ونود کمار شرما، کمار سنبھو میں آگے چل کر یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''پھر ہمالے کے یہاں لڑکی کے روپ میں ان کا جنم ہوا۔ ہمالے کی لڑکی کے روپ میں شادی کے قابل ہو جانے پر ایک دن اچانک آئے ہوئے مہامُنی نارد سے اُن کے والد نے یہ کہتے سنا کہ پاروتی کا وِواہ شنکر جی سے ہوگا.... ''

اس پر منظر کو ذہن میں رکھ کر ''کالیداس کے کمار سنبھو'' کو پڑھتے وقت ان کی قصہ گوئی کے ساتھ جگہ جگہ جو شاعرانہ حسن، قدرتی مناظر کا بیان، ہمالے پر رہنے والی جاتیوں، جنگل پھل پھول، جڑی بوٹیوں کا راتوں میں چراغاں کرنا، بادلوں کی اٹھکھیلیاں، تپسّیا کے سخت ترین مراحل اور شادی تقریبات کو جس انداز سے پیش کیا ہے ان میں کہیں بھی

شاعرانہ حسن کے اثر کو کم نہیں ہونے دیا۔

کمار سنبھو کا منظوم ترجمہ کرنا سخت ترین مرحلوں سے دوچار ہونا تھا۔ تاہم مجھے یہ کام کرنا تھا اور صبر آزما حالات سے گزرتے ہوئے میں نے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا— غالباً کمار سنبھو کا یہ پہلا منظوم ترجمہ ہے۔

کمار سنبھو کا چوتھا اور پانچواں سرگ (باب) خاص اہمیت کا حامل ہے۔ چوتھے سرگ میں کام دیو کی بیوی رتی کا وِلاپ (ماتم) اور پانچویں سرگ میں برہمچاری اور پاروتی کی گفتگو کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔

کمار سنبھو کے شلوکوں کے منظوم ترجمے پیش ہیں۔ یہ صرف لفظی ترجمے نہیں ہیں۔

تلخیص

پرتھم سرگ
(پہلا باب)

وہ ہمالے جو شہنشاہ پہاڑوں کا ہے
اُس کے ماحول میں موسم میں انوکھا پن ہے
اُس کا جو بیچ کا حصّہ ہے وہاں پر بادل،
گھومتے پھرتے اُمنڈتے ہوئے آجاتے ہیں!
سایۂ ابر چٹانوں پہ بنا رہتا ہے — !
سِدھ اُس سائے کی ٹھنڈک کا مزہ لیتے ہیں
اور جیسے ہی برس اٹھتے ہیں بادل تو وہ سب
اُس ہمالے کی فلک بوس حسیں چوٹیوں پر
جھٹ پہنچ جاتے ہیں اور دھوپ میں جا بیٹھتے ہیں

تیز رفتار ہوا چین نہیں لیتی ہے ۔ !
بے جھجک رات نما غاروں میں گھُس جاتی ہے
جب وہاں چین نہیں ملتا تو آندھی بن کر
دور تک پھیلے ہوئے بانسوں کے، ہر جنگل کو
سرنگوں ہونے پہ مجبور بھی کردیتی ہے
اور جب بانسوں کے سوراخوں میں بھر جاتی ہے
تب یوں لگتا ہے کہ سُر پھوٹ رہے ہوں اُن سے
اور کِنّر جو وہاں نغمہ سرا ہوتے ہیں،
اُن کے نغمات میں سنگیت ملا دیتی ہے

(8) •

کچھ نہ کچھ روز ہمالے پہ ہوا کرتا ہے

اُس ہمالے کے اندھیروں میں سیہ راتوں میں
یوں چمکتی ہیں جڑی بوٹیاں جیسے جنگل
رات میں جشنِ چراغاں کا مزہ لیتا ہو!
مرد اور عورتیں غاروں میں ہیں گھر جن سب کے
جو مکانِ شبِ تنہائی پہ دل رکھتے ہیں
اپنی بے صبر تمنّاؤں کی سب سنتے ہیں!
عمر اور جسم کی ہر تازہ مزاجی لے کر،
اُن گپھاؤں میں شبِ وصل منانے کے لیے
جو وہاں پاس ہی ہوتی ہیں پہنچ جاتے ہیں
تب وہاں ہلکے اُجالوں کی ضرورت کے تحت
سب جڑی بوٹیاں بے تیل چراغوں کی طرح
اُن گپھاؤں میں اندھیرا نہیں رہنے دیتیں،

تب مکانِ شبِ تنہائی دمک جاتے ہیں!
قصۂ شب کے سبھی لفظ چمک جاتے ہیں!

(10)

مان مریادا، رواجوں سے بخوبی واقف
جب ہمالے نے یہ سوچا کہ چلے نسل آگے
اپنے ہی دوت سُمیرو کی حسیں دختر سے
نام مینا تھا، اُسی مینا سے شادی کرلی!
جو برابر کی، بڑے، اونچے گھرانے کی تھی!
سب رِشی اور مُنی کرتے تھے عزت جس کی!

•

(18)

خوبصورت تھے بہت پاروتی کے لب بھی!

سرخ پھولوں میں اگر رکھ دے کوئی پھول سفید
رکھ دیا جائے کوئی موتی اگر مُونگے میں
تب کہیں پاورتی کے لبِ رنگیں والی،
مسکراہٹ کی وہ سب نقل ہی کرسکتے تھے

اُن لبوں پر جو ہنسی آکے بکھر جاتی تھی!
دیکھنے والوں کی صورت ہی اُتر جاتی تھی!

(44) •

دوسرا سرگ
(دوسرا باب)

''آپ نے آب کی تخلیق کی سب سے پہلے
بعد میں تخم وہ بوئے جو اکارت نہ گئے
اُن سے دو قسم کی دنیاؤں کی تخلیق ہوئی
ایک 'چَل' یعنی جو حرکت میں رہے وہ دنیا
جس میں انسان، چرند اور پرند شامل ہیں
ایک 'اَچَل' یعنی جو حرکت میں نہیں ساکت ہے
جس میں کہسار، نباتات وغیرہ سب ہیں
اس لیے آپ ہی اس دنیا کے خالق بھی ہیں''
(5)　●

''آپ اپنے میں اکیلے ہیں مگر روپ ہیں تین
آپ شنکر بھی ہیں، وشنو بھی، برہما بھی ہیں
آپ کے ایک اشارے پہ بنی ہے دنیا،
آپ کے ایک اشارے پہ ہے دنیا قائم
آپ دنیا کی تباہی کا 'سبب' بنتے ہیں''
(6)　●

''آپ نے وید مقدس کو عطا کی ہے زباں
جس کے آغاز کی پاکیزگی 'اونکار' سے ہے
یہ زباں وہ ہے کہ جس کا نہیں ثانی کوئی
منتر یکیہ، اور عبادت کے لیے ہے یہ زباں
تینوں لہجوں میں تلفُّظ کی فسوں کاری ہے
اس زباں سے ہی تو جنّت کی خریداری ہے!''
(12)　●

دیوتاؤں کے بیانات کی سچائی سے
اور اندازِ بیاں کی اِنھیں سب خوبیوں سے
برہما خوش ہوئے تعریف کے جملے سُن کر!
اندر اور دوسرے جو دیوتا حاضر تھے وہاں
اک نظر دیکھ کے وہ اُن سے مخاطب یوں ہوئے

(14) •

"آپ سب قابلیت اور لیاقت کے سبب،
ایسے عہدوں پہ ہیں فائز کہ جو حکّام کے ہیں
لمبی بانہوں کے پراکرمی، نہایت قابل،
آپ سب دیوتا حضرات یہاں آئے ہیں!
آپ تشریف یہاں لائے خوشی ہے اِس کی!"

(18) •

"یہ ورون دیوتا جو آپ کے ساتھ آئے ہیں
ہاتھ میں پاش کا ہتھیار لیے ہیں،جس کو
اک نظر دیکھ کے دشمن بھی دہل جاتے تھے
آج اُس پاش کے ہتھیار کی حالت یہ ہے
منتر پھونکا ہوا اک سانپ ہو بے دَم جیسے

سارے ہتھیار پریشان ہیں چلتے ہی نہیں!
کیسے سورج ہیں کہ جو دن میں نکلتے ہی نہیں!"

(22) •

''اور ہم راج تو 'دنڈ' نام کے ہتھیار سے اب
خود زمیں کُرید رہے ہوں یہی کچھ لگتا ہے
'دنڈ' اب اپنی تب و تاب سے محروم ہے اور
اور افسوس! وہ اس بجلی کی مانند ہے آج
بجھ گئی ہو، نہ تڑپ ہو، نہ چمک ہو جس میں!''

● (23)

''بارہ سورج میں وہ تیزی وہ تپش تک نہ رہی
کتنی حیرت ہے کہ سب پڑ گئے اتنے ٹھنڈے
جیسے سورج نہ ہوں، سورج کی یہ تصویریں ہوں
جو بھی چاہے وہی جی بھر کے انھیں دیکھ سکے!

پہلے ایسا تو نہیں تھا کہ نظر اِن پہ ٹکے!
کس میں طاقت تھی کہ ان سب کی طرف دیکھ سکے!''

● (24)

''تیز بہتے ہوئے پانی کا پلٹ کر بہنا —!
یعنی جس سمت سے آیا ہو اُدھر ہی بہنا!
یہ بتاتا ہے کوئی روک، رُکاوٹ ہے بڑی
ٹھیک ویسے ہی ہواؤں میں ہے ٹوٹا پن سا
نہ کوئی زور ہے ان میں نہ کوئی دَم خَم ہے

اُن کے بہنے کو کوئی روک رہا ہو جیسے!
کون کمبخت انھیں روک رہا ہے ایسے —!''

● (25)

''میرے فرزندوں! کہو، کس لیے سب آئے ہو!
چاہتے کیا ہو؟ کہو مانگنے کیا آئے ہو۔؟
جانتے ہو؟ میں ہوں دنیا کا بنانے والا؟

جب کہ تم اُس کے محافظ ہو، نگہبان ہو تم
لیکن افسوس! کسی درد کی پہچان ہو تم۔!''

(28) •

''اور تب اندر نے ہلکی سی ہوا میں ہلتے،
اُن کنول پھولوں کے گلشن کی طرح آنکھوں کو
جو ہزاروں تھیں، اُن آنکھوں کو ذرا جنبش دی
تاکہ وہ دیو گرو برہسپتی کچھ بولیں — !

(29) •

''پربھو! وہ آپ کے وردان کے بعد تارکا سُر
جس کی طاقت کا مقابل نہیں وہ تارکا سُر
کسی دُم دار ستارے کی طرح نکلا ہے۔!

تینوں لوکوں کی تباہی پہ اُتر آیا ہے۔ !
آج کل اُس نے بڑا حشر مچا رکھا ہے۔!

(32) •

تیسرا سرگ
(تیسرا باب)

اور پھر تخت نشیں اندر نے اپنے نزدیک
دوسرا بیٹھ سکے، اتنی جگہ کرتے ہوئے
یوں کہا کام سے "تشریف اِدھر لائیے گا۔"
کام نے یوں سرِ تسلیم جھکایا جیسے،
اس نوازش پہ ہو ممنون اور مشکور بہت
وہ وہاں بیٹھ گیا، بیٹھ کے یوں عرض کیا!

(2) •

"خوبیاں جاننے والے مرے آقا کہیے
جو بھی خدمت مرے لائق ہو وہ فرمائیے گا
تینوں لوکوں میں سے کس لوک کا کام آن پڑا
کون سا کام ہے، خدمت ہے؟ جسے چاہتے ہیں
آپ نے یاد کیا، یہ بڑا احسان کیا
آپ کا حکم بجا لاؤں یہ قسمت میری
حکم کیجیے، بہ سر و چشم بجا لاؤں گا
تاکہ کچھ اور عنایت میں اضافہ ہوجائے

آپ ہی کی تو عنایت کا طلب گار ہوں میں
کام ہوں، آپ کے کام آنے کو تیار ہوں میں"

(3) •

"دوست! جو تم نے اشاروں میں کہا، کھل کے کہا
آپ اپنے لیے دعوے جو کیے ہیں تم نے!
واقعی تم میں وہ سب خوبیاں موجود بھی ہیں!
ہاں مگر میرے تو ہتھیار ہیں دو ہی جن میں
ایک بجلی ہے اور اِک تم جو میرے دوست بھی ہو
جو تپو بل میں ہیں پر بل تو یہ بجلی اُن پر،
نہ تو گرتی ہے نہ نقصان ہی پہنچاتی ہے
اور تُم آتشِ گل اپنی ہواؤں میں لیے
ایسی رفتار سے چلتے ہو کہ رکتے ہی نہیں!"

تیر پتھر پہ چلاتے ہو تو گُل کھلتے ہیں!
ٹس سے مس جو نہیں ہوتے ہیں وہ ہل اٹھتے ہیں!"

(12) •

کامؔ نے اپنی حسیں بیوی کو ہمراہ لیا!
موسمِ گُل کا شہنشاہ بسنت ساتھ رہا!
وسوسے دل میں تھے، الجھن بھی تھی، اندیشے بھی
پھر بھی جو قول دیا تھا اُسے پورا کرنے
چل پڑا کوہِ ہمالہ کی بلندی کی طرف
اُس بلندی پہ فلک بوس جو اک چوٹی تھی
آشرم شیو جی کا ایسی ہی بلندی پر تھا!
کام نے دل میں تہیہ کیا چاہے جو ہو
جان جائے کہ رہے کام مگر کرنا ہے
آگ میں، عشق کے پھولوں کو سفر کرنا ہے

کام نے ناوکِ گُل اپنی کماں پر رکھا،
اپنی بیوی جو رَتی تھی اُسے ہمراہ لیا،
اور دم رکھ دیا شیو جی کے اُسی آشرم میں!
تب ہوا یوں کہ ملن سُکھ کی ہوا چلنے لگی
چَل، اچَل، حرکتی، بے حرکتی، سارے جوڑے
وصل کی لذّتی تنہائی میں ڈوبے اُچھلے
ہر طرف عیش کی راتوں کا سا اک عالم تھا
وصل کا زور تھا باقی جو تھا سب برہم تھا

خاص انداز میں اظہار تمنا تھا وہاں!
موسمِ گل کے اندھیروں میں اُجالا تھا وہاں

(35) •

کاؔم نے اُن کی تپسّیا میں خلل ڈالا تھا!
اس لیے غصّے کی شدت کا ٹھکانا نہ رہا!
چہرہ جلتے ہوئے سورج کی طرح آگ ہوا
تن گئیں دونوں بھنویں غیض وغضب کے مارے
اُن کے چہرے کی طرف دیکھنا آسان نہ تھا!
تیسری آنکھ سے چنگاریاں اک دم نکلیں!

کام کا حشر ابھی غصّے کے دہانے پر تھا
جس نے سادھا تھا نشانہ وہ نشانے پر تھا

(71) •

''سوامی! غصّے کو ذرا روکیے، سُنیے تو سہی''
دیوتاؤں کی یہی چیخ فضا میں گونجی!
چیخ پوری طرح گونجی بھی نہیں تھی کہ اُدھر
تیسری آنکھ کے شعلوں کی لپٹ نے بڑھ کر
کاؔم کو پل میں جلا ڈالا اُسے راکھ کیا!

(72) •

دشت تنہائی تھی اور عالمِ بیہوشی تھا
کاؔم کی بیوی رتّی بے حِس و حرکت تھی وہاں
بیوگی کتنی خطرناک ہوا کرتی ہے ۔،
اِس کا احساس کرانے کو ودھاتا نے اُسے
ہوش میں لا دیا تاکہ وہ تڑپتی ہی رہے
زندگی جتنی بھیانک ہو بھگتتی ہی رہے

(1) •

''خیریت سے تو ہو، زندہ تو ہو اے جانِ رتّی''
اتنا کہتے ہوئے اُٹھ بیٹھی، اُدھر دیکھا تو،
کاؔم کا جسم تو صورت میں فقط خاکہ تھا؟!
تیسری آنکھ کے شعلوں سے بدن کالا تھا!

راکھ کا ڈھیر تھا، شعلہ تھا نہ چنگاری تھی
موت تھی، موت کی دہلیز پہ لاچاری تھی

(3) •

پانچواں سرگ

دور تک موسمِ برسات کی تاریکی میں!
آندھیاں اپنی جوانی میں اُڑی جاتی تھیں
اُس پہ گھنگھور گھٹاؤں سے برستا پانی!
اور پھر رات کا تاریک بھیانک جنگل!
ایسے حالات میں جب روح بھی تھرّا جائے
پاروتی بے در و دیوار کی اُن جگھوں پر
(چھت نہ تھی بلکہ گھٹاؤں کی تھی بارش جن پر)
ایسی جگھوں پہ وہ رہتی تو چٹانوں پہ کبھی
لیٹ جاتی تھی کبھی اور کبھی سوجاتی تھی
اُس کی اس سخت تپسّیا کی گواہی کے لیے
صرف راتیں تھیں چمکتی ہوئی بجلی والی!
اپنی بجلی نُما آنکھوں سے وہ دیکھا کرتی!

ویسے طوفان کے لمحوں میں مری جاتی تھیں
راتیں اپنے ہی اندھیروں سے ڈری جاتی تھیں

ہو چکا ذکر ابھی جتنی تپسیاؤں کا ہے،
ان تپسیاؤں کے کرنے سے وہی پاروتی!
جو کنول نال سے نازک تھی بہت ہی نازک
اور بھی جسم سُکھا ڈالا تپسیاؤں سے
اُس کی اس سخت عبادت نے تپسیاؤں نے
سادھوؤں کی بھی تپسیا کو پرے چھوڑ دیا
جو بھی معیار تھے پہلے کے انھیں توڑ دیا!

(29) •

ایک دن کالے ہرن چرم کو پہنے اک شخص
ہاتھ میں پلاش کی چمکیلی عصاء تھی جس کے
زُہد و تقویٰ کے سبب چہرۂ نورانی پر
تمتماہٹ تھی دہکتی ہوئی آتش جیسی!
اور سوکھے ہوئے بالوں کی لٹوں والا وہ
اپنی جو عمر میں نوخیز و جواں سال تھا جو
پاروتی کے وہ تپوون میں چلا آیا تو

(30) •

خواہشِ نفس پہ پالیتے ہیں قابو جو لوگ
اپنے ہم عمر شریفوں سے وہ جب ملتے ہیں
اُن کی آمد کو وہ سر آنکھوں پہ لے لیتے ہیں
(حصہ 31 کا)

"آپ کو ایسے تپوون میں تپسیا کے لیے
اور پوجا کے لیے ساری ضروری اشیاء،
لکڑیاں، دوب تو آسانی سے مل جاتی ہیں نا؟
آپ کے جسم کی طاقت کے مطابق ہی آپ
روز و شب پوجا، تپسیا تو کیا کرتی ہیں نا؟
کیوں کہ یہ جسم ہی سب کچھ ہے مقاصد کے لیے
یعنی تکمیلِ مقاصد کا ذریعہ ہے یہی ۔!"

● (33)

"آپ نے پھولوں کی جن بیلوں کو پانی دے کر
اتنا پروان چڑھایا ہے اب اُن بیلوں میں
جو شفق رنگ نئی کونپلیں پھوٹ آئی ہیں
اب وہی ہوڑ لگانے پہ اُتر آئی ہیں!
آپ کے سرخ لبوں سے کہ جو لالی کے بغیر،
قدرتی طور پہ ہی سرخ رہا کرتے ہیں ۔!"

● (34)

''اے کمل نین، کنول پھول سی آنکھوں کی آپ
آپ کے ہاتھ سے دوب چھین کے کھانے والے
جو ہرن آپ کے نزدیک رہا کرتے ہیں!
اُن کی اس پیار بھری چھین جھپٹ سے خوش ہیں؟
اُن کی چنچل نگہی آپ کی اِن نظروں کی،
نقل کرتی ہے، تو اس بات سے بھی خوش ہیں نا؟''

(35) ●

''یوں کہا جاتا ہے، جب حسن عطا ہوتا ہے
حسن کے ساتھ سلیقہ بھی عطا ہوتا ہے
یہ حقیقت کبھی جھٹلائی نہیں جاسکتی!

ملکۂ حسن ہیں آپ، آپ کا ہر حسنِ سلوک
رشیوں، منیوں کے لیے باعثِ تقلید بھی ہے
اس لیے سچ ہی کہا جاتا ہے، شکل و صورت
جیسا کردار ہو، ویسی ہی ہوا کرتی ہے!''

(36) ●

''آپ اے ملکۂ حسن تھوڑی توجہ فرمائیں،
دھرم، ارتھ، کام یہ آدم کے فرائض میں ہیں
(مذہب و دولت و شب آشنا عیش و عشرت)
آدمی کے لیے ان تین فرائض میں سے،
سب سے بہتر مجھے لگتا ہے تو وہ مذہب ہے
کیوں کہ خود آپ سی حد درجہ حسیں تاپسی بھی،
دولت اور جسم کے شب باش تقاضوں سے پرے
صرف مذہب کے لیے وقف رہا کرتی ہیں!''

(38) •

''میری آمد کو بہت آپ نے عزت دی ہے
آپ اپنے سے الگ غیر نہ سمجھیں مجھ کو!
جو منیشی ہوئے اُن سب کا یہی قول ہے کہ
نیک لوگوں کی ملاقات میں سب سے پہلے،
سات الفاظ میں جو گفتگو ہو جاتی ہے
دوستی کی بھی شروعات وہی ہوتی ہے!''

(39) •

''اور میں! میں تو برہمن ہوں مزاجاً چنچل
اپنی اس شوخ مزاجی کے اثر میں آ کر
آپ سی تاپسی جو معاف بھی کر سکتی ہیں
آپ سے چند سوالات اگر پوچھوں تو
اور چھپانے کی کوئی بات نہیں ہو تب آپ
اُن سوالوں کے جوابات تو دے ہی دینا!''

(40) •

"ایک تو آپ کا ہمسر نہیں کوئی کیوں کہ
آپ کا جنم برہما کے پریوار سے ہے
دوسرے آپ کا حد درجہ حسین جسم جو ہے
تینوں دنیاؤں کے کُل حسن کو یکجا کر کے
بے پنہ حسن سے تخلیق ہوئی ہے اُس کی!
اس لیے آپ سا حددرجہ حسین کوئی نہیں
تیسرے یہ کہ جو ہے آپ کی شان و شوکت
اُس کے بارے میں کوئی ذکر نہ کرنا بہتر
چھوتے یہ عمر، یہ آیا ہوا نوخیز شباب!
اِن کے ہوتے ہوئے کس چیز کی خواہش ہے جسے
اتنی دشوار تپسّیا کے مراحل میں آپ
اُس کو پانے کے لیے اُس کی تمناؤں میں ہیں"

(41) •

"اور وِیسے تو کبھی یوں بھی ہوا کرتا ہے
دوراندیش پری چہرہ حسینائیں کبھی،
سخت اُپ واس، وِرَت، اس لیے کرلیتی ہیں
آنے والی بری ساعت ہو تو وہ ٹل جائے!
غور کرنے پہ مجھے یہ نہیں لگتا ہے کہ آپ
ایسے حالات سے دوچار بھی ہوسکتی ہیں!
(کوئی اندیشۂ غم آپ کے حصّے میں نہیں!)"

(42) •

"آپ حد درجہ حسیں ابروؤں والی سُن لیں
آپ کا حسن تو ناقدری کا حقدار نہیں!
آپ کا گھر کہ جو ہے آپ کے والد کا گھر،
اُس میں عزّت میں کمی آئی ہو، ممکن ہی نہیں
چھیڑ چھاڑ آپ سے کوئی بھی نہیں کرسکتا!
لعل کو سانپ کے پھن سے جو جھٹک کر لے لے
ایسی کوشش تو کوئی شخص نہیں کرسکتا!

بات کیا ہے کہ جو ویرانہ بسا ڈالا ہے؟
بے مکانی کو ہی گھر اپنا بنا ڈالا ہے!"

(43) •

"عمر کی یہ جسیں منزل یہ نیا عہدِ شباب
یہ زمانہ! کہ جو بننے کا سنورنے کا ہے
اس کو آرائشِ زیور سے بھی محروم کیا!
جسم کے گرد یہ لپٹا ہوا چرمِ آہو ـــ،
یہ بوڑھاپے کے لیے ہے اسے کیوں پہنا ہے؟
رات جو چاند ستاروں سے سجی رہتی ہے

اُس کو سورج کے نکلنے کی تمنا کیوں ہے
حسنِ شب تاب کو ڈھلنے کی تمنا کیوں ہے؟"

(44) •

''آپ جنّت کی طلبگار اگر ہیں تو پھر۔'
یہ زبردست عبادت، یہ تپسّیا کیوں ہے؟
آپ تو ویسے ہی حقدار ہیں اس کی کیوں کہ
یہ علاقہ یہ زمیں آپ کے والد کی ہے
دیوتاؤں کی رہائش کی زمیں بھی ہے یہی!
ہاں اگر آپ طلبگار ہیں اُس شوہر کی،
آپ جیسا جو بہت نیک بڑا قابل ہو!
ایسے مقصد کے لیے بھی یہ تپسّیا کیوں ہے؟
خود کسی کو بھی تلاشا نہیں کرتا ہیرا۔'

چاہنے والے اُسے ڈھونڈھ لیا کرتے ہیں!
اپنی تقدیر پہ پھر ناز کیا کرتے ہیں۔!''

(45) •

''آپ کی گرمیٔ جذبات میں ڈوبی سانسیں
دل کی گہرائی کی مانند یہ لمبی سانسیں!
آپ کا قصۂ دل مجھ کو بتا بیٹھی ہیں
مجھ کو شبہات نے اب گھیر لیا ہے کیوں کہ
کوئی بھی ایسا نہیں جس کو پسند آپ کریں
اور کہیں اُس سے کہ وہ آپ سے شادی کر لے
پھر بھلا کون ہے وہ آپ کی درخواست پہ جو
آپ کو مل نہ سکے، آپ سے شادی نہ کرے؟''

(46) •

اُس برہمچاری نے یوں پاروتی کے دل کو
جاننا چاہا، خدا تھاہ بھی لینا چاہی!
نرم لہجے کے سوالات سے چھونا چاہا!
دل میں ہلچل ہوئی اظہار نے ہونٹوں کو چھوا
حسنِ بیتاب کو تب شرم نے خاموش رکھا
دل میں دریا جو اُمنڈ آیا تھا، روکا اُس کو
اپنی بے کاجلی آنکھوں کو ذرا حرکت دی!
پاس میں بیٹھی سہیلی کی طرف یوں دیکھا

●

جیسے کہتی ہو کہ وہ بات بتا دوں ان کو
ان کی ضد ہے تو چلو کچھ تو سنا دوں ان کو

●

(51)

''آپ شادی کے لیے ضد پہ تُلیں پاروتی!
میری یہ بات توجہ سے سنیں غور کریں!
مان لیں آپ کی شادی اگر اُن سے ہوجائے
خوش نصیبی کی علامت سے بندھا آپ کا ہاتھ
شیو کے اُس ہاتھ کو چھو پائے گا آخر کیسے؟
جس میں کنگن کی جگہ لپٹا ہوا سانپ ہوگا
سب سے پہلے تو یہی لمس کی منزل ہوگی!
آپ کا ہاتھ یہ برداشت بھی کر پائے گا؟

بس کہ دشوار ہے اس کام کا آساں ہونا
چھوڑ بھی دیجے غم دل سے پریشاں ہونا!''

''یہ اگر مان لیا جائے کہ آسانی سے
وہ جو شنکر جی ہیں وہ آپ کو مل جائیں تو
اس سے منحوس کوئی کام بھلا کیا ہوگا!
سبز چندن پتے اثمارِ شبابی پر جب
وہ جو شنکر جی کے سینے پہ لگی رہتی ہے
بس وہی راکھ چِتاؤں کی چپک جائے گی
آپ کو ایسی ملاقات نہ راس آئے گی

ہر شبِ وصل میں سینے سے لگیں گی کیسے؟
خوشبوئیں مردوں کی راکھوں میں بسیں گی کیسے؟''

(69) ●

''آپ شیو جی کی گرفتارِ محبت کیوں ہیں؟
اُن کو پانے کی غلط چاہ سے بچ کر رہیے!
ساری منحوس علامات جُڑی ہیں اُن سے
ان کی چاہت تو ہے جنگل کی بلاؤں کی طرح
خوش نصیبی کی بہاروں سے ہیں آراستہ آپ
جو بھلے لوگ ہیں پوجا کے ستوں کی خاطر،
(یگیہ اِستمبھ بنانے کے لیے بجّن گنٹر)

مرگھٹی لکڑیاں لاتے نہیں شمسانوں سے
گھر کو آباد نہیں کرتے ہیں ویرانوں سے

(73) ●

اس طرح شیو جی کے بارے میں برہمچاری نے
اپنے چبھتے ہوئے لہجے میں کہیں جو باتیں!
ان میں شیو جی کی برائی کے سوا کچھ بھی نہ تھا!
اُس نے ہر ایک بُرا پہلو اُبھارا جس پر
پاروتی کے غم و غصّے کا ٹھکانہ نہ رہا!
ہونٹ کانپ اُٹھے، بھنویں تن گئیں اور آنکھوں میں
جیسے بس خون اُتر آیا ہو یوں سرخ ہوئیں!

سرخ آنکھوں سے اُسے سخت نظر سے دیکھا
اور چبھتے ہوئے الفاظ میں یوں اُس سے کہا

(74) •

"آپ نے اُن کے لیے جو بھی کہا ٹھیک نہیں
ٹھیک سے اُن کو نہیں جانا نہ پہچانا ہی!
مونہہ میں جو آیا وہی اُن کے لیے بک ڈالا
میں سمجھتی ہوں کہ یہ آپ کی کم عقلی ہے
مجھ سے وہ کہہ دیا جو مجھ سے نہیں کہنا تھا
لوگ تو عقل سے پیدل بھی ہوا کرتے ہیں
پیدلی عقل کے معمولی سے جو لوگ ہوتے ہیں
جو بزرگ اور بڑی ہستیاں ہوں اُن سب میں

دشمنی رکھتے ہیں، ان سب کو برا کہتے ہیں
سوچتے تک نہیں کس کے لیے کیا کہتے ہیں

(75) •

"ان کی غربت کی حقیقت کی خبر ہے صاحب؟
مفلسی وہ ہے کہ زرداری قدم چومتی ہے
چاہے دولت ہو کہ آرام ہوں دنیا بھر کے
اُن کے بس ایک اشارے سے ملا کرتے ہیں!
مانا شمسان میں رہتے ہیں مگر اے صاحب!
تینوں دنیاؤں کے مالک ہیں وہی آقا ہیں!
آپ کہتے ہیں بہت بھدّا ہے چہرہ اُن کا!
جو اُنھیں دیکھ لے ڈر جائے ہے چہرہ ایسا!
آپ چہرے پہ گئے دل نہیں دیکھا اُن کا!
جذبۂ رحم چھپا رہتا ہے اُس چہرے میں!
یوں کہا جاتا ہے 'شیو' اُن کو کہ رحمیلے ہیں!
ساری دنیا کے وہ دکھ دور کیا کرتے ہیں
اُن کی جو اصل حقیقت ہے وہ کیا جانیں آپ

آپ بس 'آپ' ہیں، دنیا بھی نہیں جانتی ہے
جاننا چاہیے ایسا بھی نہیں جانتی ہے!"

(77) ●

"جس کو چاہیں وہ ملیں اُس کو کہ تن اُن کا ہے
چاہے وہ راکھ چتا کی ہو، بدن اُن کا ہے
پاک ہوجاتی ہے وہ راکھ بدن پر لگ کر
جب بھی وہ پانڈو نرتیہ کرنے پہ آجاتے ہیں
جسم سے اُن کے وہی راکھ جھڑا کرتی ہے
دیوتا گرتی ہوئی بھسم لپک لیتے ہیں!
اپنے ماتھے پہ لگاتے ہیں تِلک کرتے ہیں!

کہیے؟ کچھ اور بھی کہنا ہو تو فرمایئے گا؟
ورنہ تھورا مجھے کہنا ہے ٹھَہَر جایئے گا!"

(79) •

چھٹا سرگ

"وہ جو ہوا کرتا ہے اگنی کے لیے
ارنی لانے کا تمنائی ہوا کرتا ہے!
تاکہ جو آگ ہو روشن تو ضرورت پہ اُسے
اُسی ارنی سے بہ آسانی کُریدا جائے
ٹھیک ویسے ہی کوئی معاملہ درپیش ہے اب
یعنی پیدائشِ فرزند کی خاطر اب ہم
چاہتے ہیں کہ گھر ان پاروتی کو لائیں۔"

(28) •

''اس لیے آپ کو تکلیف یہ کرنا ہوگی
آپ سب جائیں ہمالے سے ملیں اُن سے کہیں
رشتۂ پاروتی چاہا ہے ہم نے اُن سے!
اچھے لوگوں کے تعاون سے جو رشتہ طے ہو،
اُس میں امکان نہیں ہوتا کسی خامی کا۔!'

● (29)

''جی بہت اچھا'' کہا ان سبھی رِشیوں نے اور
اپنی منزل کی طرف چل پڑے، شنکر جی بھی
اور مہا کوشی کے اُس جھرنے کے پاس جاپہنچے

● (35)

اور اُس شہر کی وہ آب و ہوا تھی کہ وہاں
عمر کا آخری حصّہ بھی جواں رہتا تھا!
پیری پوری طرح پیری میں جواں رہتی تھی
عشق کرنے میں بوڑھاپا نہیں آپاتا تھا!
کام دیو ایک اکیلا تھا جو حملے کرتا،
دوسرا کوئی کسی پر نہیں حملے کرتا۔!
اور اُس شہر میں بس ایک تھکن ہوتی تھی!
اُس ملن سُکھ کی تھکن سے جو بہت ہی گہری
نیند آتی تھی، وہ بیہوشی نہیں ہوتی تھی!

دونوں جانب جو بدن ٹوٹ کے رہ جاتا تھا
نیند کی گود میں سب چھوٹ کے رہ جاتا تھا

● (44)

ساتواں سرگ　تین دن بعد شہنشاہ ہمالے نے اُدھر
لگن کے ساتویں اِستھان کی شدھی سے یکت
شبھ تِتھی آئی تو مہمانوں کو یکجا کر کے
دُخترِ نیک کو (بیٹی کو) بیاہنے کے لیے
شادی کی مذہبی رسموں کی شروعات کری

(1)　●

آٹھواں سرگ　شادی کی ساری رسومات کی تکمیل کے بعد
جب مِلن سکھ کی وہ پہلی نئی رات آ پہنچی!
تب اگرچہ کہ تھیں بیتابیاں دل میں بے حد،
خواہشِ وصل بہت جاگی ہوئی تھیں اُن میں
وصل کی رات تھی، جذبات تھے، تنہائی تھی
لذتِ وصل سے واقف نہیں ہونے کے سبب
اک جھجک جسم میں لہرائی ہوئی پھرتی تھی
چاہ، چاہت کے سمندر میں ڈری پھرتی تھی!
ہچکچاہٹ بھری بتابی وصلت میں گِھرا
مہکا ہوا، سنورا ہوا، بل کھاتا بدن

اور کچھ اور حسیں لگنے لگا شیو جی کو۔!
اپنی آنکھوں پہ بھروسہ نہ رہا شیو جی کو!

(1)　●

مندرجہ بالا شلوکوں کے منظوم ترجموں میں بھی میں نے وضاحتی انداز برقرار رکھا ہے تاکہ شلوک میں جو بنیادی خیال یا بات کہی گئی ہے وہ آپ تک پہنچ سکے۔ چونکہ کالیداس اکادمی کی درخواست پر اسے آسان زبان میں اس لیے ترجمہ کیا جانا تھا کہ دیوناگری رسم الخط میں اس کی اشاعت ہو سکے۔ لیکن کالیداس اکادمی میں 'میگھ دوت' رتو سنہار اور کمار سنبھو، پیش کیے جانے کے باوجود وہ سب غائب ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پدم شری جناب بچولال اوستھی نے میگھ دوت پر جب اس قسم کی رائے دی کہ سحر صاحب کے ترجمے کے بعد اب تک ہو چکے ترجموں کو بھول جانا چاہیے — یہ بات دور دور تک پہنچ گئی تھی۔ آگے آپ سوچ سکتے ہیں۔

آسان زبان کے ساتھ ساتھ شعری خصوصیات، ماحول سازی، محسوسات کی زندگی اور زندہ دلی کو متاثر نہیں ہونے دیا ہے بلکہ ان کے حسن میں اضافہ بھی کیا۔ اگر آپ دیگر زبانوں کے ترجمے پڑھیں گے تو غیر شاعرانہ لب و لہجے کی یا ادق زبان کے ویرانوں میں آپ کالیداس کے خوبصورت من کے باغات کیسے تلاش کر پائیں گے؟

کمار سنبھو کی تلخیص میں میں نے 55 شلوک شامل کیے ہیں۔ طوالت کی وجہ سے ان میں اضافہ نہیں کیا۔

میری یہ ادبی اور بڑی حد تک تخلیقی منظومات آپ سب کی ادب دوستی کی نذر ہیں۔

اس ابتدائیہ کے اختتام پر یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ اردو ادب کی پردہ دار ادبی تہذیب کا اپنا ایک مزاج ہے۔ اسے اہمیت دیتے ہوئے:

صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں
خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں

کو ذہن میں رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل نسوانی اعضاء کے ناموں کی جگہ جو الفاظ یا تراکیب استعمال کیں وہ اس طرح ہیں:

وَکش اُتھل، استن، پیودھر = اثمار، اثمارِ شباب، اثماری ابھار، اثمارِ شبابی، بارِ اثمارِ شب تاب، پستان، سرِ پستان، شانوں کے نزدیک، اُبھار آشنا اثمار، اُبھرے ہوئے گلنار، بارِ پستاں، اثمارِ فروغ آشنا، اثماری فراز وغیرہ۔

نِتمب (کھولے) = زیرینہ اُبھار، اُبھرے ہوئے حصے، زیرِ کمر ابھرے ابھاروں، اُبھرے کشش داروں، بھاری اُبھاروں وغیرہ۔

کام := وصل، کام اِچھا، خواہشِ وصل

کام وتی = وصل وتی وغیرہ۔

ترجمے میں اور ایسے کئی نازک مراحل آئے جن کو نظر انداز نہ کرتے ہوئے اصل کو اصل سے دور نہیں ہونے دیا اور پردہ داری کو بھی ملحوظ رکھا گیا۔

اور اختتامی سطروں پر میں ان کا شکریہ ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتا اور وہ یہ ہیں:

ڈاکٹر عتیق اللہ صاحب جنھوں نے میگھ دوت، رتو سنہار اور کمار سنبھو کی اشاعت پر توجہ دلائی اور اپنے ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کے ساتھ مجھے ذہنی طور پر تیار کیا۔

پراگ اگروال صاحب (نئی دہلی) اور کاشف غیری صاحب (کراچی) نے مجھے ایسے وقت میں تلاش کیا جب میں تقریباً گوشہ نشینی کی زندگی میں قدم رکھ چکا تھا۔ اب اگر میگھ دوت یا رتو سنہار یا کمار سنبھو اشاعتی مراحل سے گزر کر آپ تک پہنچتے ہیں تو یہی حضرات مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ان حضرات نے ہی دشوار گذار راستوں کو ہموار کیا تاکہ آپ سے میری ملاقات ہو سکے!

آپ سب کا بہت بہت شکریہ!

بدن تمام ہوا صرف رہ گئیں آنکھیں
تلاش کتنے زمانوں میں لائے گی مجھ کو

محمود احمد سحر

22 / فروری 2014

میگھ دوت

ایک دن فرض سے چوکنے کے سبب
یکش کی طاقتیں سلب کرتے ہوئے
یکش راجہ نے یہ بددعا دی اُسے
یہ سزا دی علیحدہ رہو سال بھر
اپنی بیوی کے غم میں تڑپتے رہو،
اُس کی قربت کی دوری میں جلتے رہو

اس سزا، بددعا کا نتیجہ یہ تھا
رام گیری میں وہ یکش رہنے لگا

خوبصورت درختوں کے آغوش میں
اِک بڑا خوشنما آشرم تھا وہاں
سیتلہ جی کے نہائے ہوئے آب کا
صاف اور پاک پانی کا چشمہ بھی تھا

قربتوں میں جو گزرا وہ سب خواب تھا
چشمۂ آب میں یکش بے آب تھا

•

اپنی بیوی کے غم میں بہت غمزدہ
اپنی جانِ تمنا سے بچھڑا ہوا،
وصل کی خواہشوں میں سُلگتا ہوا
اپنی تازہ مزاجی میں دُبلا ہوا،
وہ جو سونے کا کنگن تھا پہنے ہوئے
یوں ہوا، وہ پھسل کر کہیں گر پڑا!

سونی سونی کلائی کے اُس یکش نے
جب یہ دیکھا کہ آساڑھ کے پہلے دن
ایک پربت کی چوٹی سے چپکے ہوئے
ایک بادل کو دیکھا تو ایسا لگا،
جیسے اک مست ہاتھی کسی ٹیلے سے
اپنے دانتوں سے پرہار کرتے ہوئے
کھیل اور کھیلنے میں بہت مست ہو

•

پرہار: حملہ

اس زمانے میں البیلے شہری ایک ہاتھ میں سونے کا ڈھیلا کڑا پہنا کرتے تھے اُس کی طرف نے اشارہ کیا ہے۔ شکنتلا میں بھی راجہ دُشینت کو شکنتلا کی جدائی میں بائیں ہاتھ کا کڑا پہنے ہوئے بتایا گیا ہے۔

یہ وہ بادل ہی تھا یہ وہی میگھ تھا
وصل کی آرزوئیں جو بھڑکاتا ہے
حسن اور عشق دونوں کو تڑپاتا ہے
جو ملن سُکھ کی راتوں کو مہکاتا ہے

غمزدہ یکش اُس میگھ کے سامنے،
کتنی مشکل سے اشکوں کو روکے رہا
اور بہت دیر تک سوچتا بھی رہا
ایسے جادو اثر میگھ کو دیکھ کر
خود ملن سُکھ کے سائے میں ہنستے ہوئے
پھر تڑپ جاتے ہیں پھر بہک جاتے ہیں

تب وہ اک غمزدہ، غم کا مارا ہوا
جس کو پردیس کی دی گئی ہو سزا
اُس کی حالت کے بارے میں کہنا ہی کیا

میگھ نیلی فضاؤں میں اُڑتا ہوا،
جیسے اک پھول پانی میں بہتا ہوا
اور بھی اُس کے نزدیک جب آگیا
اُس نے چاہا، اِس آتے ہوئے میگھ سے
اُس نے سوچا کہ مغموم بیوی کے نام
خیریت کا ہی پیغام پہنچا سکے ۔!

وہ کُٹج کے کئی پھول لے کر اُٹھا!
میگھ کو ارگھ دے کر بہت خوش ہوا
پھر محبت بھری نرم آواز میں،
انکساری کی لہروں پہ بہنے لگا!
بیقراری کے عالم میں کہنے لگا!

یکش، مغموم بیوی سے بچھڑا ہوا!
بیقراری کے عالم میں بہکا ہوا!
بھول بیٹھا کہاں آگ، پانی، ہوا
اور دھوئیں سے بنا میگھ بے جان سا
اور کہاں تیز طرّار انسان کے
ہاتھ پہنچائے جانے کے لائق پیام
پھر بھی اُس میگھ سے اُس نے درخواست کی

عشق میں جو بھی دیوانے ہوجاتے ہیں
فرق محسوس کرنے سے بچ جاتے ہیں!

اجنبی کون ہے، کس سے پہچان ہے
کون زندہ ہے اور کون بے جان ہے

"میگھ تو وِنش پُشکر گھرانے کا ہے
اندر کا خاص پیغامبر تو ہی ہے
تجھ میں شکلیں بدلنے کی طاقت بھی ہے

اور میں اپنی بیوی سے بچھڑا ہوا،
اپنی بے رحم قسمت کا مارا ہوا،
خود کو تیری رحم پناہوں میں لایا ہوں میں
اِک بھکاری کی مانند آیا ہوں میں
کیوں کہ میں جانتا ہوں کسی نیچ سے
کچھ نہ کچھ مانگ لینے سے بہتر یہ ہے
ایک گنوان انسان کچھ بھی نہ دے

دشتِ تنہائی ہے اور میری ذات ہے
اس لیے میگھ تجھ سے ہی درخواست ہے

یہ جو گرمی کی شدت سے بے چین ہیں
میگھ تو زندگی اُن پیاسوں کی ہے

اپنے آقا کی اِک بددعا کے سبب!
آتش برہمی سے سلگتا ہوں میں
جس سے بے انتہا پیار کرتا ہوں میں
میرا پیغام بس اُس کے ہی نام ہے

میرا پیغام لے جانا ہوگا تجھے،
اور الکا پوری جانا ہوگا تجھے!
راجدھانی جو یکشوں کے راجہ کی ہے!
اک محل اُس کے باہر ملے گا تجھے
اور وہاں پر ہیں باغات پھیلے ہوئے
سب کے سب شیو کے سر کے مہتاب سے
چاندنی میں نہائے ملیں گے تجھے

ایسے منظر میں نامعتبر کچھ نہیں!
جو بھی کچھ ہے وہاں بے اثر کچھ نہیں!

میگھ! جب تو ہوا میں اُڑے گا تو تب
راہ گیروں کی دلکش جواں بیویاں،
اپنی زلفوں کے کونے اٹھائے ہوئے
اور محبت بھرے وصل کا اک یقیں،
اپنے نازک دلوں میں سجائے ہوئے
مست ہو ہو کے دیکھا کریں گی تجھے

اور تجھ کو اُمنڈتا ہوا دیکھ کر،
ایک مجھ غم کے مارے کو ہی چھوڑ کر
میں سمجھتا ہوں مجھ سا نہ ہوگا کوئی
جو تجھے دیکھ کر یاد کرنے لگے!
اپنی بیوی کو یا اپنی محبوب کو!

دھیرے دھیرے یہ بہتی ہوائیں بھی اب
تجھ کو اُکسا رہی ہیں کہ ہمراہ چل!
بائیں جانب پپیہے کی تانیں بھی اب،
ان ہواؤں کی تائید کرنے لگیں!

آگے بڑھتے ہوئے راستے میں تجھے،
پیٹ رہ جانے والی رُتوں کے سبب
مست بگلوں کے جوڑے کئی جھنڈ میں،
میگھ تو خوبصورت ہے بس اِس لیے
تجھ کو نظروں کی زینت بناتے ہوئے
تیرے ہمراہ اُڑتے چلے جائیں گے!

تو بِنا دِقتوں کے گزرتا ہوا،
جب کہ الکاپوری میں پہنچ جائے گا
تب وہاں اپنی بھابی کو دیکھے گا تو!
جو غم ہجر کا زہر پیتے ہوئے،
جیسے تیسے وہ زندہ نظر آئے گی!
آس، اُمّید سے رشتہ جوڑے ہوئے

ان امیدوں کا رشتہ وہ رشتہ ہے جو
پھول سے نرم و نازک حسینوں کا دل
ٹوٹنے سے ہمیشہ بچاتا رہا!

جو زمیں پر ہیں اُبھری ہوئی گندلیاں
جن سے زرخیز ہوتی رہی ہے زمیں

وہ گرج جس سے پانی برسنے لگے!
وہ گرج جس سے دھرتی پہ فصلیں اُگیں
وہ گرج جو کہ کانوں کو اچھی لگے؟

جو گرج راج ہنسوں کو اچھی لگے!
ہنس ایسی ہی گرجوں کو سنتے ہوئے
اور نازک کمل کی کئی ڈنڈیاں
اور کچھ، اُن کے ٹکڑے اٹھائے ہوئے
ناشتے (رزق) کے روپ میں شکل میں!
اُس بڑے اونچے کیلاش پربت تلک
تیرے ہمراہ اُڑتے ہوئے جائیں گے

دوست! یہ ایک کوہِ مقدس بھی ہے
رام کے نقشِ پا اس کے چاروں طرف
ایک حلقے کی مانند موجود ہیں!

اور یہ ایک حساس پربت بھی ہے
بارہا اس نے آنسو بہاتے ہوئے
تجھ سے لمبی جدائی کا شکوہ کیا
اپنے جذباتِ اُلفت کو ظاہر کیا!

میگھ اُس اونچے پربت سے مل کر گلے
تو وداعی نزاکت سمجھتے ہوئے
جا کہ اب تیرا جانا ضروری بھی ہے

میگھ! اب میں بتاتا ہوں راہِ سفر
جو مناسب بھی ہے اور آسان بھی!
تو اسے اپنی پوری توجہ سے سُن
بعد میں، میں سناؤں گا پیغام وہ،
تیرے کانوں میں رس گھول ڈالے گا جو

میرا پیغام لے جانے والے تجھے،
راستے میں تھکن جب بھی محسوس ہو
چوٹیوں پر پہاڑوں کی رُکتا ہوا،
اور ندیوں سے پانی بھی پیتا ہوا
اس طرح کچھ تھکن دور کرتا ہوا،
جانا میری بتائی ہوئی راہ پر!

یہ جو پودے ہیں سب بید کے رس بھرے
ان کو نظروں میں لا کر سنبھالے ہوئے
بس یہاں سے تو اُتر میں مڑتے ہوئے
آٹھ سمتوں کے جو آٹھ ہاتھی ہیں اُن
آٹھ کی موٹی سونڈیں کچلتے ہوئے
بھیگی بھیگی فضاؤں میں پرواز کر

تیری پرواز دلکش، اُمنگوں بھری،
تیری مَن موہ پرواز کو دیکھ کر
کتنے رِشیوں کی بھولی جواں بیویاں
اپنے مہکے سروں کو اٹھاتے ہوئے
ایسی حیرت سے دیکھیں گی تیری طرف
جیسے تو تو نہیں بلکہ تیری جگہ،
ایک پربت کی چوٹی کو پاگل ہوا
اپنے کاندھوں پہ لے کر اُڑی جاتی ہو

میگھ وہ دیکھ بامی کی چوٹے تلے
سات رنگوں کے ہیروں کا اک عکس سا
اصل میں وہ ہے قوسِ قزح کا سرا
اس سے تیرا یہی سانولا سا بدن،
اتنا رنگین، پُرنور ہوجائے گا!
جیسے بھگوان وشنو کا جسمِ حسیں،
مور کے پنکھوں کی جھلملاہٹ لیے

فصل عمل کا ہونا تجھ پر ہی ہے منحصر
یہ سمجھ کر، یہی جان کر، مان کر،
گانو کی سیدھی سادی بہوئیں سبھی
وہ جو آنکھیں لڑانا نہیں جانتیں،
پیار سے میٹھی نظریں اٹھاتے ہوئے
ٹکٹکی باندھے دیکھا کریں گی تجھے

کھیت جو حال ہی میں ہیں جوتے گئے!
اُن کے اوپر چھلکتا، برستا ہوا،
ایسے کھیتوں کی خوشبو میں ڈوبے ہوئے
مال پردیش پر سے گزرتا ہوا،
تھوڑا پشچم کی جانب بھی مُڑتا ہوا
ٹھیک اُتر کی جانب ہے جانا تجھے

تیز اور موسلا دھار بارش سے تو
جنگلوں میں بھڑکتی ہوئی آگ کی
پیاس کو جب بجھانے میں تھک جائے گا
آمر پربت تجھے کچھ تھکا دیکھ کر
اپنی چوٹی کے اوپر بٹھاتے ہوئے
یہ کہے گا کہ آرام کرلو یہاں!

باوفا جو نہیں ہوتے وہ لوگ بھی،
اور احساسِ احسان مندی بھی ہو،
وہ بھی اپنی پناہوں میں آئے ہوئے
اپنے محسن کی عزت تو کرتے ہی ہیں
اور پھر باوفاؤں کا کہنا ہی کیا
وہ نگاہیں کبھی بھی چراتے نہیں!
اور احسان کرکے جتاتے نہیں!

آم کے رس بھرے جنگلوں سے گھرے
آمر پربت کی چوٹی پہ جس وقت تو
کالے بالوں کے چکنے چمکتے ہوئے،
ایک جوڑے کی مانند رک جائے گا

دیو اور دیویوں کی نگاہوں میں تب
آمر پربت کچھ ایسا نظر آئے گا!
جیسے دھرتی کی اُبھری ہوئی چھاتیاں
درمیاں جن کے تاریکیاں ہوں جواں!

جنگلوں میں جو رہتی ہیں پھرتی ہیں اُن
پھول جیسی شگفتہ بہوؤں نے جس
آمر پربت کے دلکش حسیں کنج میں
رنگ رلیاں منائی ہیں مسکائی ہیں
تو اسی کنج پر جب برس جائے گا
کچھ سبک ہو کے آگے کو بڑھ جائے گا
تب تجھے وندھیا چل کے آغوش میں
اونچی اونچی چٹانوں کے ہی درمیاں
اک ترائی میں بہتی ہوئی نرمدا،
ایسی دلکش سجیلی نظر آئے گی!
جیسے ہاتھی کے تن پر لکیریں سی ہوں!
خوبصورت، نگاہوں کو جچتی ہوئی!

میگھ! جب تو وہاں پر برس جائے تب
نرمدا کے کنارے پہ جھکتے ہوئے
تو وہ پانی یقیناً ہی پینا کہ جو
ہاتھیوں کے ہے مدجل سے مہکا ہوا
اور جامن کے کنجوں سے ہوتا ہوا!
اُن سے ٹکرا کے آہستہ بہتا ہے جو!

پانی پی کر جو تو بھاری ہوجائے گا
تجھ کو من چاہی سمتوں میں چنچل ہوا
پھر اِدھر سے اُدھر کب اُڑا پائے گی!
کیوں کہ جو لوگ ہلکی طبیعت کے ہوں
اُن کو کوئی بھی خاطر میں لاتا نہیں!
ان کے برعکس سنجیدہ ہوتے ہیں جو
اُن کی عزت بہرحال ہوتی ہی ہے
اُن کو کوئی کھلونا سمجھتا نہیں!

راستوں میں، کچھاروں میں کچھ ادھ کھلے
کیسروں کی وجہ سے بہت ہی ہرے
اور پیلے کدمبوں کے دلکش شجر
جن کی رنگینیاں قابلِ دید ہیں،
اُن کی نظارگی میں ہی کھوئے ہوئے
اور کیلے کی کلیوں کو کھاتے ہوئے
اور دھرتی سے اُٹھتی ہوئی خوشبوئیں
سونگھتے، چوکڑی بھرتے کتنے ہرن
تجھ کو سمجھائیں گے راہ بتلائیں گے
اور تو آگے بڑھتا چلا جائے گا!

میگھ! چاتک پرندے جو چالاک ہیں
اور بارش کی بوندوں کو پی جاتے ہیں
اُن کی اجلی قطاریں گناتے ہوئے
سدّھ لوگ موسمِ وصل میں چونک کر
میگھ تیرے گرجنے سے ڈرتی ہوئی
اپنی پریاؤں کے خود لپٹ جانے پر
اُن کی بھرپور قربت کو دے کر دعا

میگھ تجھ سے کہیں گے تیرا شکریہ!

دوست! میں جانتا ہوں کہ میرے لیے
میرا پیغامِ ہجرِ رفاقت لیے!
جلد ہی راہ طے کرنا چاہے گا تو!
پر کُنج کے گلوں سے مہکتے ہوئے
پربتوں کو نگاہوں میں رکھتے ہوئے
خوشبوئی راستوں سے گزرتے ہوئے
تیری رفتار کچھ سست پڑجائے گی
اور وہاں وقت کچھ بیت ہی جائے گا

کیوں کہ اُن پربتوں پر جو طاؤس ہیں
اپنی آنکھوں میں خوشیوں کے آنسو بھرے
اپنی پُرلوچ اور تیز آواز میں،
تیرا سواگت کریں گے بڑے جوش سے
اُس سواگت کے بس ختم ہوتے ہی تو
آگے بڑھ جانا، ایسا ضروری بھی ہے

تو جب آگے بڑھے گا تو اک دیش میں
نام جس کا دشارن ہے اس دیش میں
کیتکی کے گلوں سے سجے گلستاں
سب سفیدی میں ڈوبے نظر آئیں گے

اور جو گھر کا پرساد کھاتے ہیں وہ
کاگ (کوّے) پرندوں کے گھر، گھونسلے،
جن سے آباد گاؤں ہیں وہ سب کے سب
مرکزِ زینتِ چشم بن جائیں گے
اور پکے جامنوں کے پھلوں سے لدے
سرحدی جنگلوں کا تو کہنا ہی کیا
جامنوں جیسے کالے نظر آئیں گے
اور وہاں ہنس ایسے ملیں گے کہ جو
صرف کچھ روز ٹھہریں گے اُڑ جائیں گے

ہاں اُسی دیس کے چار سمتوں میں جو
آج سے کیا کبھی سے جو مشہور ہے
وہ ودیشہ ہی ہے راجدھانی بھی ہے
میگھ جب تو وہاں پر پہنچ جائے گا
تیری رنگیں مزاجی سکوں پائے گی!

کیوں کہ جب بیتوا کے کنارے پہ تو،
شوخ لہروں کی کُل کُل سنے گا تو پھر
تیری بیتابیاں اور بڑھ جائیں گی!
ان پہ جھکتے ہوئے پانی پی لے گا تو!

بیتوا کے مدھر جل کو پیتے ہوئے
تجھ کو وہ لطف ایسا مزہ آئے گا
جیسے چنچل پھڑکتی بھنووں کے تلے
جیسے الھڑ حسینہ سے نیناں لڑے
شوخ آنکھیں، شرابی، حسیں، ادھ کھلی
ادھ کھلی انکھڑیوں کی شرابوں کو تو
پی رہا ہو اُنھیں اُن میں کھوئے ہوئے

نیچ گری نام کی ہے پہاڑی وہاں
اُس پہاڑی پہ آرام کرلینا تو!

تیری آمد پہ دلکش کدمبوں کے گُنج
ہر طرف ہنستے کھلتے نظر آئیں گے
اُن کدمبوں سے ایسا لگے گا تجھے
جیسے تیرے بدن کے جواں لمس سے
اُس کا نازک رُواں ہوگیا ہو کھڑا

اُس پہاڑی کے سُنسان پتھریلے گھر
ایسی خوشبوؤں سے تجھ کو ملوائیں گے
اُن سے ایسی کہانی بھی سنوائیں گے

جیسے رنگیں طبیعت کا شہری کوئی
اِک مہکتی طوائف کے نزدیک ہو
وصل کی بیقراری میں مدھوش ہو!
خواہشوں میں ہوں دو جسم ڈوبے ہوئے
خواہشیں جو تقاضوں کی غماز ہوں!

میگھ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد
اس پہاڑی سے جب چل پڑے گا تو پھر
راستوں میں نگاہوں میں آجائیں گی!
جنگلوں میں مچلتی ہوئی ندّیاں
ندّیوں کے کناروں پہ پھلواریاں
اُن میں جو ہی کے گچھے مہکتے ہوئے
اُن کو پانی کی بوندیں پلاتے ہوئے
اپنی پرواز جاری ہی رکھنا، مگر

تو یہاں پھول چنتی ہوئی مالنوں
کے رخوں پر ذرا چھاؤں کرتے ہوئے
وہ کنول کے کرن پھول جو اُن حسیں
عارضوں کا پسینہ تو پونچھیں ہیں پر
عارضوں کی رگڑ سے تڑپ جاتے ہیں
اور کُمھلا کے بے جان ہوجاتے ہیں!

میگھ تو ایک پل کے لیے ہی سہی
اُن حسیں مالنوں سے بھی ملتا ہوا،
اپنے سائے سے اُن سب کو چھوتا ہوا
آگے بڑھنا کہ ایسا ضروری بھی ہے

میگھ! اُتّر کے راہی میری بات سُن
تھوڑا پشچم کی جانب تو مُڑ جانا اور
اُس طرف میرا جانا ضروری بھی ہے
کیوں کہ پشچم میں اُجینی نگری جو ہے
تجھ کو پشچم میں اُجینی جاتے ہوئے
لاکھ دشواریاں آئیں تو کیا ہوا
میں سفارش کروں گا کہ جانا وہاں!

کتنی اونچی حسیں گلیاں ہیں وہاں
میگھ تو ان کی گودوں کا سُکھ لوٹنا،
بجلیوں کی چمک سے حسیں انکھڑیوں،
میں چکاچوند ہونے کے باعث اگر
تو وہاں کی حسیناؤں کی انکھڑیوں،
دلربا اور چنچل سیہ چتونوں،
کا مزہ لے نہ پائے تو یہ ماننا ـ،
تیری آنکھوں کا ہونا ہی بیکار ہے

اک ندی نام ہے جس کا نَروِندِھیا
یہ ندی راستے میں ملے گی تجھے
جس کی چنچل ترنگوں بھری تھپکیوں
سے پرندوں کی ہوتی ہے کچھ گفتگو
کتنے ہنسوں کی اُجلی قطاریں بھی اُس
کافرہ کی کمر کی ہیں اک کردھنی!

اپنے پانی میں یوں ڈالتی ہے بھنور
جیسے وہ اصل میں حلقۂ ناف ہو!
اُف، وہ نروندھیا کتنی اتراتی ہے
اک حسینہ کی مانند بل کھاتی ہے
میگھ اُس کے بہت پاس لہرانا تو!،
اُس کی رنگینیوں میں ہی کھوجانا تو!
کیوں کہ جب عورتیں خواہشِ وصل میں
خوب سنگھار کر کے نکھر جاتی ہیں،
پر یتموں پہ یہ اظہار کر جاتی ہیں،
وہ بھی بے تاب ہیں خواہشِ وصل میں
ایسا اظہار (اظہار اور وصل کا)،
پریتموں سے محبت کا اقرار ہے!
اور نروندھیا بھی اسی روپ میں،
تجھ کو دیکھے گی، تجھ کو نظر آئے گی!

خوش نصیبی سے وابستہ اے میگھ سُن
آگے سندھو ندی بھی ملے گی تجھے!
جس کی جل دھارا سوکھی ملے گی تجھے
سوکھ جانے سے ایسی نظر آئے گی،
جیسے سوکھی ہوئی زلف بل کھائی سی
اُس ندی کے کنارے درختوں سے جو
زرد پتے گرے ہیں اُن ہی کے سبب
اُس کی رنگت بھی پیلی ملے گی مگر
اپنی فرقت کے ایسے نشانات کا
تجھ سے گہرا تعلق بتائے گی وہ
اِس لیے جس طریقے سے بھی ہو سکے
اُس کو پت جھڑ رِتو سے چھڑاتے ہوئے
اُس کو شرنگار رس سے سجاتے ہوئے
اُس کے شکوے مٹانا ہی ہوں گے تجھے

میگھ! اُجینی نگری کے اطراف میں
کہ جہاں کے دیہاتوں کے بوڑھے، بزرگ
وہ کہانی جو ادین سے منسوب ہے
وہ کہانی سنانے میں اُستاد ہیں:
"(وتس نامی کبھی اک راجہ ہوا
اُس کی لڑکی بہت خوبصورت بھی تھی
اور اُدیَن بہت چاہتا تھا اُسے
ایک شب واسودتہ کو وہ لے اُڑا
اور پھر یوں ہوا...... اور پھر یوں ہوا......)"

"(خوبصورت درختوں کے باغات میں
ایک سونے کا تالاب بھی تھا وہاں
ایک بدمست ہاتھی بھی مشہور تھا
وہ درختوں، سُتونوں کا دشمن بھی تھا
روندتا تھا اُنھیں توڑتا تھا انھیں
ایسا کرتا تھا وہ... ویسا کرتا تھا وہ.....)"

اُن دیہاتوں پہ پرواز کرتا ہوا
اِک قدیم و حسیں، دلبر و دلنشیں،
اِک دمکتی مہکتی دلہن کی طرح،
وہ جو اجینی نگری ہے اس کی طرف
اپنی پوری توجہ سے بڑھ جانا تو!
دیکھنے میں اسے ایسا لگتا ہے کہ،
کچھ فرشتہ صفت لوگ فردوس سے
لوٹتے وقت کچھ نیکیوں کے عوض
ایک جنّت کا ٹکڑا اُٹھا لائے ہوں

•

میگھ اجینی نگری کی شپرا ندی
کی، نسیم سحر شوخ و گستاخ ہے

سارسوں کے گلے سے نکلتی ہوئی،
اُن کی مستی بھری میٹھی آواز کو
دور تک حسن و خوبی سے پھیلاتی ہے
اور کنولوں کی رس دار خوشبوئیں بھی
وہ چراتی ہوئی آگے بڑھتی ہوئی
اُن مکمّل حسینوں سے ٹکراتی ہے
جو شبِ وصل ڈھلنے پہ تھک جاتی ہیں
اُن کی ساری تھکن دور کرتی ہے وہ

نقل کرتی ہے اُن عاشقوں کی کہ جو
اپنی جانِ تمنا کو سمجھاتے ہیں،
اور خوشامد بھرے لفظ و حرکات سے
اپنی راتوں کی تقدیر چمکاتے ہیں!

میگھ! اُجینی نگری کے بازاروں میں
لعل و گوہر بہت لائے جاتے ہیں اور
قیمتی گوہری ہار، شنکھ، سیپیاں؟
سبزۂ و گھاس جیسے ہرے رنگ کے
جن سے کرنیں نکلتی ہیں پنّے بھی، اور
مونگے کے دور تک پھیلتے سلسلے!
ایسے خوش رنگ منظر دکھاتے ہیں سب
جن کے آگے سمندر بھی پانی بھرے

میگھ! اُجینی نگری کے اطراف میں
اور وہاں کی حسینوں کی زلفیں ہیں جو
صندلی مہکا مہکا دھواں جھومتا،
کھڑکیوں سے گزرتا ہوا آئے گا!
وہ دھواں، تجھ میں ٹکرا کے مل جائے گا
تیرا پھیلاؤ کچھ اور بڑھ جائے گا!
مور اور مورنی عالمِ رقص میں،
تیری آمد پہ وہ تحفۂ رقص کو
تیری خدمت میں یوں پیش کردیں گے وہ
جیسے تیرے لیے ہی وہ تحفہ نہ ہو!
اور اُجینی نگری کے اونچے محل
رات دن خوشبوؤں میں مہکتے ہیں جو
اور وہاں کی وہ نازک پریزادیاں
جن کی رنگینیاں ہیں سراپا چمن!
جن کے مہندی رچے پیروں کی انجمن
فرش پر جھلملاتی نظر آئے گی!
میگھ! تو ایسا سب کچھ وہاں دیکھ کر
راستے کی تھکن کو مِٹا ڈالنا!

دور تک پھیلے باغات کی خوشبوئیں
اور چندن، کنول پراگ کی نکہتیں،
جب ندی پر سے ہوکر گزرتی ہیں تب
غسل نازک بدن کی مہک کو لیے
اُن کی اٹھکھیلیوں سے لپٹتے ہوئے
جو ہوائیں ندی پر سے ہوتے ہوئے
جب مہاکال مندر کے باغات میں
خوب مہکی ہوئی سی پہنچتی ہیں تب
اُن کو اپنے طریقوں سے مہکاتی ہیں

میگھ! سورج کے چھپنے سے پہلے اگر
تو مہاکال مندر پہنچ جائے تو،
اپنی نظروں سے سورج کے چھپنے تلک
تو وہاں سے نہ ہلنا، وہیں ٹھہرنا!
شام کے وقت پوجا کے آغاز پر
تو گرج اٹھنا مانند نقاروں کے
اور جب تو ہی نقاروں کے کام کو
حسن و خوبی سے انجام دے گا تو خود
تجھ کو بھی لطف آئے گا اس کام میں

داسیاں جو کال مندر میں ہیں!
ناچتی ہیں، چنور بھی ہلاتی ہیں وہ
ناچتے وقت پیروں کی حرکات سے
ہر کمر میں بجی، جھومتی کردھنی،
بج رہی ہوگی ہلکی سی آواز میں!

لعل و گوہر جڑے موٹھ والے چنور
اپنے نازک سے ہاتھوں میں تھامے ہوئے
ایسے چنوروں کو ہر پل ہلاتے ہوئے
واقعی تھک تو بے حد گئی ہوں گی وہ

اُن کے مہکے، سجیلے، مہکتے، بدن
ناخنوں کے کئی زخم کھائے ہوئے
تجھ کو زخمی ملیں گے مگر میگھ تو
اپنے پانی کی بوندوں سے چھونا اُنھیں
ایسا کرنے سے کچھ سکھ ملے گا اُنھیں
اس طرح تو سکوں بخش دے گا اُنھیں

میگھ! اُجینی نگری میں جب رات کو
رات محلوں کو جاتے ہوئے راستے
گہری تاریکیوں میں ہوں ڈوبے ہوئے
ہاتھ کو ہاتھ بھی جب سجھائی نہ دے
تب کسوٹی پہ کھینچی ہوئی اک لکیر
کی طرح اپنی بجلی کو چمکانا تو!
رات کے وقت چھپتے چھپاتے ہوئے
روپ کی دھوپ لے کر مہکتے ہوئے
اپنے سجنوں سے ملنے کو جاتی ہیں جو

تو گرجنا بھی مت تو برسنا بھی مت
کیوں کہ نازک دلوں والی وہ ناریاں
ایک آہٹ پہ ڈرتی، چمک جاتی ہیں

دھیرے دھیرے مسلسل چمکنے سے جب
تیری بیوی حسیں بجلی تھک جائے تب
اُس کی میٹھی ن کے سبب تو وہ شب
ایک ایسی عمارت کے چھجے پہ ہی،
جس پہ اکثر کبوتر بھی سوتے ہیں، تو
ایسے چھجے پہ وہ شب بتاتے ہوئے
باقی راہوں کا احساس کرتے ہوئے
صبح ہوتے ہی بڑھ جانا اے میگھ تو

کیوں کہ جو دوست سے وعدہ کرتے ہیں وہ
اپنے وعدے سے پھرتے مکرتے نہیں،
بلکہ وعدے نبھاتے ہیں ہر حال میں!

صبح ہونے پہ بے درد اور بے وفا!
(رات غیروں میں جو شب گزار آئے ہیں)
منتظر اپنی مغموم پریاؤں کے
عارضوں کی نمی (اشک) کو پونچھ کر
جیسے تیسے مناتے ہیں، سمجھاتے ہیں!

(ٹھیک ویسے ہی سورج نکلتا ہے جب)
اپنی محبوب نلنی کے رخساروں پر
جن پہ شبنم نما اشک ہوں گے اُنھیں
پونچھنے کے لیے صبح دم آئے گا!
میگھ تو اُس کی راہوں میں آنا نہیں
ورنہ وہ تجھ سے ناراض ہوجائے گا
تجھ کو سمجھے گا دیوارِ راہِ وفا!
تو رُکاوٹ نہ بننا کسی حال میں!

اک ندی جس کو گنبھیر کہتے ہیں سب
جس کا پانی بہت صاف و شفاف ہے
جیسے من جیسے بے داغ آئینہ ہو!

اُس کے اوپر سے جو وقت گزرے گا تو
تیری پرچھائیں اُس میں نظر آئے گی
اُس میں کھلتے مہکتے تھرکتے کنول
اُس میں چنچل اچھلتی ہوئی مچھلیاں
اور ان دو کی اٹھکھیلیوں سے بھری
اُس ندی کی پھڑکتی ہوئی چتونیں!
جیسے اٹھکھیلیاں کررہی ہوں مگر
میگھ تو اپنی آہستگی کے سبب
اس ندی کی پھڑکتی ہوئی چتونوں
پر اثر ڈالنے سے بچا رہنا تو ۔!

ورنہ اُن چتونوں کی جواں پھڑکنیں
تیرا احساس ہوتے ہی مٹ جائیں گی
اک حسیں کھیل خود ختم ہوجائے گا!

اس لیے میگھ تو اپنا عکس حسیں
اُس کے شفاف پانی پہ مت ڈالنا
اس سے بچ کر گزرنا، یہ بہتر ہی ہے

میگھ! گمبھیر کا صاف پانی بھی اب
گرم رُت میں کناروں سے ہٹتا ہوا
دھیرے دھیرے ہی بہتا ملے گا، مگر
بید کی ڈالیاں اس پہ جھکتی ہوئی،
نیلے پانی کو چھوتی ملیں گی تجھے،
تب وہ منظر کچھ ایسا نظر آئے گا!
جیسے گمبھیر ہو اک حسیں نازنیں،
جس کے دونوں کنارے ہوں کولھوں نُما
ایسی تصویر، منظر دکھاتا ہے کہ،
نیلے پانی کی ساڑی پھسلتے ہوئے،
کررہی ہو برہنہ انھیں اس لیے،
بید کی ڈالیوں جیسے ہاتھوں سے وہ
روکتی، تھامتی سی نظر آئے گی!
میگھ جب ایسے منظر کو دیکھے گا تو
تجھ میں خود ایک ہلچل سی مچ جائے گی
کون ہوگا وہ رنگیں طبیعت کا جو
اپنا دامن بچا کر گزر جائے گا!

میگھ جس وقت تو دیوگری کی طرف
اپنی پرواز جاری رکھے گا تو تب
تیرے برسائے پانی کے اثرات سے
خشک دھرتی سے خوشبوئیں پھوٹیں گی ہی
سوندھی سوندھی سی خوشبو سے مہکی ہوا
تیرے نیچے، تیرے ساتھ چلتی ہوئی
راہ اگلے سفر کی بھی بتلائے گی!
ہاتھیوں کے کئی غول ہوں گے کہ جو
اپنی سانسوں سے اور اپنی سونڈوں سے بھی
ان ہواؤں کو پیتے چلے جائیں گے

تیرے پانی کے برسائے اثرات سے
ان مہکتی ہواؤں کے ٹکراؤ سے
جنگلی گولر جو کچے ہیں، پک جائیں گے

میگھ! تو دیوگری پر بھی رُکنا جہاں
جو ہمیشہ سے مسکن ہے اسکند کا
اُس پہ بارش نہ کرتے ہوئے میگھ تو
'ابرِ گل، ابرِ گلزار، بن کر وہاں
پاک آکاش گنگا کے جل سے دُھلے
صرف پھولوں کی بارش ہی کرنا کہ بس
اندر کی خاص درخواست پر شیو نے
اندر کی فوج (جو دیوتاؤں کی ہے)
صرف اس کی حفاظت کے پیشِ نظر
آگ کے مونہہ سے پیدا کیا تھا انھیں
وہ جو سورج کی گرمی سے بھی تیز ہیں
اُن کو پھولوں سے نہلانا اے میگھ تو،

بعد میں اس طرح تو گرجنا وہاں
کہ چٹانوں سے ٹکرا کے تیری گرج
لوٹ کر آئے، سب کو سنائی بھی دے

میگھ تو زور سے یوں گرجنا وہاں
کہ جو طاؤس اسکند کا ہے اُسے
رقص کروانا اپنی ہی آواز پر!
وہ جو طاؤس ہے اُس کی آنکھیں سدا
شیو کے سر کے مہتاب کے نور سے
دھلتے رہنے کے باعث چمکتی ہی ہیں
اور اس کے چمکتے ہوئے ایسے پر
جو کہ جھڑتے ہیں جھڑ کر بکھر جاتے ہیں
اُن پروں کو بھوانی کنوِل کی جگہ،
اپنے کانوں کی زینت بناتی ہیں خود
کیوں کہ طاؤس اسکند کو ہے عزیز
اور اسکند سے ہے محبت اُنھیں

میگھ! سرکنڈوں کے جنگلوں میں جہاں
بھگون اسکند پیدا ہوئے تھے وہاں
بھگوان اسکند کی پوجا کرنے کے بعد
جب تو آگے بڑھے گا تو وینا لیے
سدّھ جوڑے ملیں گے تجھے راہ میں
تیرے پانی کی بوندوں سے ڈرتے ہوئے
تیری راہوں سے وہ خود ہی ہٹ جائیں گے

اور آگے بڑھے تو چنبل ندی
جو مقدس ہے وہ راہ ییں آئے گی
اس لیے احتراماً تو جھکنا وہاں
راجہ رنتی نے گو میگھ یگیہ جب کیا
تو نتیجے میں جل دھارا کی شکل میں
آج تک جو امنڈتی مچلتی ہوئی،
بہہ رہی ہے، وہ چنبل ندی ہی تو ہے

وشنو کے سانولے رنگ جیسے اے میگھ
جب تو پہنچے گا چنبل ندی پر تو تب
پیاس اپنی بجھانے جھکے گا تو پھر
اس کی چوڑائی دوری سے گھٹ جائے گی

اور آکاش میں گھومتی دیویاں،
اور آکاش میں گھومتے دیوتا،
تجھ کو نظروں کا مرکز بناتے ہوئے
ٹکٹکی باندھ کر تجھ کو دیکھیں گے تب
ان کو منظر کچھ ایسا نظر آئے گا
جیسے چنبل ہو اک موتیوں کی لڑی
جو ہے دھرتی کے دلکش گلے میں پڑی
بیچ میں اُس دمکتی لڑی میں پڑا
ایک نیلم سا ہیرا چمکتا ہوا
اور وہ صرف تو اور تو ہوگا میگھ!

بھائیوں کی محبت کے احساس سے
کورو پانڈو کی جنگ سے علیحدہ رہے
ریوتی کی جن آنکھوں کی پرچھائیں سے
جو زیادہ نشیلی تھی صہبا اُسے
آپ ہی آپ جب ترک کرنے کے بعد
جس سروتی ندی کے کنارے پہ خود
جا کے بل رام ٹھہرے تھے ایسی ندی
جو کہ بیحد مقدس ہے ایسی ندی!
میگھ تو اُس کے پانی کو پینے کے بعد
ہر طرح پاک ہوجائے گا اور تب
تیرا رنگ شیام جیسا نکھر جائے گا

آگے بڑھ کر تو کنکھل پہنچتے ہوئے
ایسا گنگا کے نزدیک جانا کہ جو،
شیوشنکر کے بالوں سے ہوتی ہوئی
اور ہمالے سے نیچے اُترتی ہوئی
جو سگر کے تھے لڑکے انھیں کے لیے
صرف جنّت کا زینہ بنی تھی، مگر
پاروتی اُس سے جلنے لگی تھیں کہ کیوں
میرے شوہر نے سر پر بٹھایا اُسے

ان کا ایسا جلاپا بجا تھا مگر ــ،
اُن کے بگڑے ہوئے تیوروں پر ہی تو
بہتی گنگا نے چوٹیں کسی تھیں کئی!
جھاگ کی شکل میں قہقہے مار کر!

اور بھی کچھ چڑانے کی خاطر انھیں
شوخ گنگا نے لہروں کے ہاتھوں سے ہی
شیوشنکر کے بالوں کو پکڑا بھی تھا!

میگھ! جس وقت گنگا کے پانی سے تو
پیاس اپنی بجھانے کی خاطر وہاں،
دگجوں کی طرح لمبا ہوتا ہوا،
تھوڑا جھکتا ہوا تھوڑا مڑتا ہوا
سنگِ مرمر سے شفاف پانی پہ جب
پوری تیزی سے جھکتا چلا جائے گا
اور اُس وقت ایسا نظر آئے گا

جیسے پریاگ سے بھی علیحدہ یہاں
گنگا جمنا کے دلکش ملن کے سبب
ایک سنگم نیا بن گیا ہو یہاں!

پھر وہاں سے بھی بڑھنا ہے آگے تجھے
گنگا پربت کے اوپر پہنچنا جہاں!
حلقۂ نافۂ مُشک والے ہرن
بیٹھتے ہیں تو اُس حلقۂ ناف سے
خوشبوئے مشک چاروں طرف پھیل کر
اُس علاقے کو مہکائے رکھ دیتی ہے

وہ علاقہ ہے گنگا کی جنم اِستھلی
برف ہی برف کی چوٹیاں ہیں وہاں
تو تھکن کو مٹانے کی خاطر وہاں
جب کسی ایک چوٹی پہ بیٹھے گا تب
میگھ اس وقت تیری وہ خوبصورتی،
اک نئے رنگ میں یوں نظر آئے گی
شِو، جی برف جیسے سفید بیل کے
سینگھ پر کالی مٹی کا ٹیکا نہ ہو!

جب ہواؤں کی طوفانی رفتار سے
دیو دارو درختوں کے ٹکراؤ سے
آگ بھڑکی ہوئی ہو تو اُس وقت میں
آگ کی تیز لپٹوں کے باعث اگر،
چنوری گایوں کی (دُم) بال جلنے لگیں
اور پربت بھی اُس آگ میں جل اُٹھے

میگھ ایسے خطرناک لمحات میں!
موسلادھار بارش سے اُس آگ کو
تو مسلسل برس کر بجھا ڈالنا!

اچھے لوگوں کے اچھے عمل (مِلکیت)
اونچے کردار یا اُن کی اچھائیاں
کتنے دکھیوں کے دکھ دور کرتے ہوئے
دوسروں کا سہارا تو بنتی ہی ہیں

جب ہمالے کے مغرور سرکش ہرن
اپنی طاقت کے نشّے میں ڈوبے ہوئے
تیز آواز سنتے ہوئے چونک کر
اور غصّے سے تیور بدلتے ہوئے!
میگھ تجھ کو اُلانگھا ہے کس نے مگر
وہ کہ تجھ پر چھلانگیں لگاتے ہوئے
وہ یہ چاہیں گے تجھ کو الانگھیں، مگر
پوری طاقت سے اُچھلیں گے گر جائیں گے
ہاتھ پیروں سے محتاج ہوجائیں گے

میگھ! اُن سرپھروں سے نپٹتے ہوئے
تو دھواں دھار اولوں کی بارش سے ہی
اپنے آگے سے اُن کو بھگا ڈالنا ۔!

جو گری حرکتوں پر اُتر آئے ہیں!
کب وہ بے آبروئی سے بچ پاتے ہیں

اک چٹان اُس ہمالے پہ ایسی بھی ہے
جس پہ شیو جی کے پیروں کے کتنے نشاں
(جو مقدّس ہیں) اُن پر ہی موجود ہیں

سدھ لوگ اُس کی پوجا تو کرتے ہی ہیں
میگھ تو بھی عبادت کے جذبات سے
اُس کے پھیرے لگانے سے مت چوکنا
کیوں کہ شیو جی کے درشن سے ہر ایک کے
پاپ کٹ جاتے ہیں پاپ دُھل جاتے ہیں
اور وہاں پر جو شیو کے پجاری ہیں وہ،
ایک عہدے کے حقدار ہوجاتے ہیں،
خادموں میں جگہ ان کو مل جاتی ہے!

اُس پہاڑی علاقے سے اُٹھتے ہوئے
اُس ہمالے کا مہمان بننا جسے!
لوگ کہتے ہیں کیلاش پربت جسے
راجہ راون نے ایسا جھنجھوڑا تھا کہ
اُس کا اِک ایک پور ڈھیلا کر ڈالا تھا!
اور آئینہ جو دیویوں کا بھی ہے

اُس کی برفیلی، اونچی کئی چوٹیاں
نیلے آکاش میں یوں نظر آتی ہیں
جیسے دلکش کنول کی کئی پنکھڑیاں
جیسے شیو جی کے ہر روز کے قہقہے
جم کے اک ڈھیر کی شکل میں ہوں عیاں

نیل کے تاڑے تازے کٹے دانت کے
رنگ جیسے، سفید اُس ہمالے پہ جب
کالے کاجل کی مانند بیٹھے گا تب
قابل دید ہوگا ترا رنگ رس!
ایک ٹک دیکھتے ہی چلے جاؤ بس

جیسے بیحد حسیں (گورے) بلرام کے
ایک کپڑا ہو کندھے پہ لٹکا ہوا
زلف جیسے چمکتے سیہ رنگ کا!

ہاں وہاں پر تجھے اتفاقاً اگر،
شیو جی سانپ کنگن اُتارے ہوئے
پاروتی اُن کا وہ ہاتھ تھامے ہوئے
کھیلنے کی پہاڑی پہ پیدل ہی جب
گھومتے پھرتے تجھ کو نظر آئیں تب
میگھ تو اپنا پانی جماتے ہوئے
جسم کو اونچا نیچا بناتے ہوئے
ایسے زینے کی مانند بن جانا کہ،
جس پہ چڑھتے ہوئے اُن کے پیروں کو بھی
اُس کا گرمی بھرا لمس اچھا لگے!

میگھ! اُس خوبصورت سے پربت پہ ہی
دیویاں خود تیرا راستہ روک کر
اپنے ہیرے جڑے کنگنوں سے تجھے
چھید کر تجھ میں سوراخ کرتے ہوئے
تجھ کو فوّارے جیسا بنا دیں گی وہ!

دھوپ میں تجھ سے اُن کی یوں اٹھکھیلیاں
تو یقیناً پریشان ہوجائے گا!
دیویوں کی اُن اٹھکھیلیوں سے اگر
تجھ کو چھٹکارہ مل ہی نہ پائے تو پھر
زور سے یوں گرجنا کہ ڈر جائیں وہ

سونے جیسے کنول جنم دیتا ہے جو
مان سرور کا وہ پانی پیتے ہوئے
میگھ رنگین تفریح کرتے ہوئے
تو سفید ہاتھیوں کے مکھوں پر کبھی
اک نقابِ حسیں بن کے لہرانا اور
یوں اُڑانا درختوں کے پتّے کبھی
جیسے نٹ کھٹ پون (جیسے چنچل ہوا)
ریشمی، چکنی، باریک، رنگین اور
خوبصورت چُنریا اُڑا جاتی ہے!

سنگِ مرمر سے صاف اُجلے پربت پہ تو
اپنی من چاہی تفریح کرتے ہوئے
اپنی رنگیں طبیعت کو بہلانا بھی!

اپنی مرضی سے اے گھومنے والے میگھ!

وہ حسینہ جو بیٹھی ہوئی ہے وہاں
اپنے محبوب کیلاش کی گود میں
وہ نشیلی حسینہ خود الکاہی ہے
جس کی گنگا کی مانند ساڑی ہے جو
تھوڑی تھوڑی کمر سے سرک آئی ہے

ایسی الکا کو کیلاش کی گود میں
ایسی حالت میں بیٹھی ہوئی دیکھ کر
تو نہ پہچانے اُس کو یہ ممکن نہیں!
تو یقیناً ہی پہچان لے گا اُسے

اُس کی اونچی اٹریوں پہ برسات میں
جب تو چھاکر برسنے لگے گا تو تب
حسن اِلکا کچھ ایسا نظر آئے گا!
جیسے اک ماہ وش نے سنورتے ہوئے
کالے بالوں میں موتی پروئے نہ ہوں!

میگھ! الکاپوری کے وہ اونچے محل!
تجھ سے اُن کا تقابل کیا جائے تو،
وہ تقابل یقیناً مناسب ہی ہے

تجھ میں چنچل حسیں برق رہتی ہے تو
ان میں رہتی ہیں چنچل حسیں ناریاں
سات رنگوں کی دلکش دھنک تجھ میں ہے
اُن میں رنگیں تصاویر موجود ہیں!

میٹھی آواز میں تو گرجتا ہے تو
اُن میں مردنگ بجتے ہیں کس شان سے

تجھ میں شفاف پانی بھرا ہے تو کیا
فرش پر اُن کے ہیرے جڑے ہیں کہ جو
رنگ میں تیرے پانی سے ملتے بھی ہیں

تو ہمیشہ ہی رہتا ہے اونچائی پر
چوٹیاں اُن کی چھوتی ہیں آکاش کو

اور وہاں وقتِ شب، زندہ دارنِ شب
خوشبوؤں کے اندھیرے میں بڑھتے ہیں تب
بمب پھل جیسے اَدھروں کی وہ رنیاں
دلھنوں سی سجی مہ جبیں بیویاں،
تیز سانسوں کے زیر و زبر کے سبب
اُن کے بندِ قبا ڈھیلے پڑجاتے ہیں
ایسے عالم میں شہزادۂ شب اُنھیں
کھینچتے ہیں تو گھبرا کے وہ رنیاں
شرم کی کیفیت سے گزرتے ہوئے
اپنی مُٹھی میں بھر بھر کے کنکو کو وہ
رتن دیپوں پہ یوں پھینکتی ہیں کہ اب
لاج آئے انھیں اور بجھ جائیں سب

•

ایسی تنہائی میں وہ، جھجکتے نہیں!
وہ چراغِ شبِ وصل بجھتے نہیں!

اور الکا کے رنگین محلوں میں کچھ
ایسے بالائی حصّے بھی موجود ہیں
جن میں تیری طرح کتنے بادل ہیں جو
خود ہواؤں کے جھونکوں سے دبتے ہوئے
ایسے بالائی حصّوں میں گھس جاتے ہیں
اور وہاں کی بہت سی تصاویر کو
اپنے پانی کی بوندوں سے دھوتے ہوئے
اُن کے رنگوں کو بے آب کردیتے ہیں

ایسے بادل، نکلتے دھوئیں کی طرح
اپنی شکلیں بدلنے میں ماہر بھی ہیں!

وہ دھوئیں جیسے بادل، نکلتے ہوئے
جرم کا اپنے احساس کرتے ہوئے
یوں نکل بھاگتے ہیں وہاں سے کہ بس
جیسے بادل نہ ہوں وہ کوئی چور ہوں

ایسی الکا کے خوش رنگ محلوں میں جب
رات آدھی سے زیادہ گزر جاتی ہے
حسن خلوت کی تاریک رعنائیاں
دل فریبی اندھیروں میں بڑھ جاتی ہیں

اپنے سجنوں کی بانہوں میں جکڑی ہوئی
خوبصورت جواں، مہرباں، رمنیاں
وصل کے بعد میٹھی تھکن کے سبب
اُن کی بانہوں میں بل کھا کے گر جاتی ہیں

اُن ہی کمروں کی چھت سے لٹکتی ہوئی
جھالروں میں ہیں ہیرے پروئے ہوئے
جو چراغِ شبِ وصل بن جاتے ہیں!

میگھ! تیرے وہاں پر نہ ہونے سے ہی،
چاند کی نرم کرنوں بھرے لمس سے
جھالروں والے ہیرے پگھلتے ہیں اور
اُن سے پانی کی بوندیں ٹپکتی ہیں جو
وصل کے بعد کی میٹھی میٹھی تھکن!
دور کرتی ہیں اُن نازنینوں کی جو
کتنی بے سُدھ سی سیجوں پہ پڑ جاتی ہیں

میگھ! شہرِ محبت ہے الکاپوری
رات کے وقت نازک بدن والیاں
شوخ تاریکیوں کا سہارا لیے!
خود ہی جاتی ہیں پریتم ملن کے لیے
اور جب رات ڈھلنے کے نزدیک ہو
تب وہ سب خوبصورت جواں رمنیاں
اپنے اپنے پریمی سے ہوکر جدا!
اور چھپ کے تیزی سے چلتی ہوئی
اُن گھروں کی طرف لوٹتی ہیں جہاں
سہمی سہمی سی ہیں اُن کی تنہائیاں!

واپسی کے لیے تیز رفتار سے
پھول مندرا کے بالوں سے جھڑ جاتے ہیں
اور سنہرے کنول کی کئی پنکھڑیاں
اُن کے کانوں سے گر کر بکھر جاتی ہیں!
اور ان کی حسیں گردنوں میں پڑے،
ہار جب ان کے سینوں سے ٹکراتے ہیں

پھول گرتے ہیں موتی بکھر جاتے ہیں!
ایسی الکا میں سورج نکل آنے پر،
ایسے پریتم ملن کے سبھی راستے،
ایسی چیزوں سے پہچان میں آتے ہیں!
جو اندھیروں میں جسموں سے گر جاتے ہیں

شِیو اور یکش راجہ وہاں رہتے ہیں!
اس لیے کامؔ بھنوروں کی ڈور اور کماں
ان کے ڈر سے پریشان رہتے ہوئے
'کامؔ' کے کام سے تانتا بھی نہیں
عشق کے تیر خود سے چلاتا نہیں!
پھر بھی اُس کا یہ سب کام رُکتا نہیں!

(کیوں کہ الکا کی وِچلت جواں رنیاں
اپنی رنگین تر حرکتوں کے سبب
آتشِ جذبۂ وصل بھڑکاتی ہیں!
ابروؤں کی پھڑکتی کمانوں سے وہ
ترچھی نظروں کے تیرِ نظر مار کر،
عشق کے دیوتا کے اسی کام کو
حسن و خوبی سے انجام دے دیتی ہیں!

میگھ! راجہ کے اونچے محل سے پرے
تھوڑا اُتر کی جانب ہے میرا محل
جس کو پہچاننا کوئی مشکل نہیں
جس کی محراب دلکش دھنک کی طرح
دور سے ہی نگاہوں میں آجاتی ہے

میرے اپنے محل میں حسیں باغ ہیں
جس میں چھوٹا سا مندار کا پیڑ ہے
جو کہ پھولوں کے گچھوں سے جھک جاتا ہے
جس کی ہر شاخ ہاتھوں میں آجاتی ہے

میری بیوی نے جس کو بڑے پیار سے
ٹھیک ایسے ہی پالا کیا ہے بڑا،
جیسے اپنے ہی بیٹے کو پالا نہ ہو!

میرے اُس باغ میں ایک تالاب ہے
سیڑھیاں جس کی پنّے سے تعمیر ہیں!
ڈنڈیاں جن کی نیلم سی ہیں وہ کنول
اُس کے شفّاف پانی میں لگتے ہیں یوں
جیسے شفّاف پانی دوپٹہ نہ ہو!
اُس دوپٹے پہ پھولوں کا گوٹہ نہ ہو

اُس کے شفاف پانی میں رہتے ہیں جو
وہ سبھی ہنس اس درجہ ہیں مطمئن
جب بھی برسات آتی ہے اُڑتے نہیں
مان سرور کے نزدیک ہوتے ہوئے
سوچتے بھی نہیں ہیں کہ جائیں وہاں!

میگھ! تالاب کے اک کنارے کے پاس
کھیل کی خوبصورت پہاڑی بھی ہے
جس کی چوٹی پہ نیلم جڑے ہیں مگر
پیلی رنگت کے کیلوں کی باڑھ نے
گھیر رکھا ہے چاروں طرف سے اُسے
وہ بہت خوبصورت نظر آتی ہے

بجلیوں سے گھرا دیکھتے ہی تجھے،
میری بیتابیٔ دل بہت بڑھ گئی
وہ پہاڑی بھی شدّت سے یاد آ گئی
میری بیوی کو بے حد پیاری ہے وہ

اس پہاڑی پہ گُروک کے گھیرے کے بیچ
مادھوی سے بنا ایک منڈپ بھی ہے
اُس کے نزدیک اشوک اور بُکل کے شجر
(سرخ اور نرم پتّوں کا پہلا شجر)
ٹھیک میری طرح بیقراری لیے،
پھولنے اور پھلنے کا ارماں لیے،
چاہتا ہے کہ اک رسم کی آڑ میں
میری بیوی کا جو بایاں پاؤ ہے وہ
اُس سے ٹکرا کے سرسبز کردے اُسے

دوسرا صرف اس کا تمنائی ہے
میری بیوی بہ اندازِ لطف و کرم
بخش ڈالے اُسے اپنی مونہہ بھر شراب

اور اُن دو درختوں کے ہی درمیاں
پنچھیوں کے بسیرے کی خاطر وہاں
ایک سونے کا کھمبا بھی موجود ہے
اُس کے نیچے ہرے بانس کے رنگ کے
سبز پتّے جڑے ہیں بہت خوشنما
اس طلائی ستوں پر ہی بلّور کی،
ایک خاصی بڑی چوکی موجود ہے

اُس پہ ہر شام تیرا وہ محبوب دوست
جس کا نیلا گلا، نام طاؤس ہے
روز آتا ہے اورر بیٹھتا ہے وہاں
تال دے دے کہ جب جب نچاتی ہے تب
میری بیوی کے ہاتھوں کے کنگن جو ہیں
تال کے ساتھ وہ بھی کھنک اٹھتے ہیں

دوست میرے بتائے نشانات سے
اور دروازے کے دونوں جانب بنیں،
شنکھ کی اور کنول کی جو تصویریں ہیں
اُن سے پہچان لے گا تو میرا محل!

آہ! میرے وہاں پر نہ ہونے سے اب
اب اُداسی میں ڈوبے نظر آئیں گے
جیسے سورج کے چھپ کر چلے جانے پر
خوبصورت کنول کی مہکتی ہوئی
ساری رنگینیاں ختم ہوجاتی ہیں!

میگھ! اونچائیوں سے اُترتے ہوئے
جسم کو اپنے چھوٹا بناتے ہوئے
اُس محل میں پہنچنا ہے تجھ کو، جہاں
کھیل کی خوبصورت پہاڑی بھی ہے
جس کے بارے میں، میں کہہ چکا ہوں ابھی
کھیل کی اُس پہاڑی پہ جا بیٹھنا!

بیٹھ کر کھیل کی اُس پہاڑی پہ تو
اپنی بجلی کی جگنو نما روشنی
جیسی اپنی نظر سے، اُدھر دیکھنا!

اس محل میں جو تجھ کو نظر آئے گی
اک چھریرے بدن کی حسیں نازنیں
جس کا ہر انگ اپنی جوانی پہ ہے
دانت جس کے نئے موتیوں کی لڑی
جس کے لب سرخ ہیں بمب پھل کی طرح
ایک بھَے بھیت ہرنی کی چتون سی وہ
گہری نابھی تو پتلی کمر والی وہ،
بھاری کولھوں کی، اَلسا کے چلتی ہے جو
اور جو چھاتیوں کے جواں بوجھ سے
تھوڑی تھوڑی جھکی سی نظر آئے گی
وہ مری زندگی میری بیوی ہے وہ

دیکھنے میں وہ ایسی نظر آئے گی،
جیسے برہما کی پہلی تخلیق ہو

کیا کہوں دور میرے چلے آنے سے
اپنے شوہر سے پریتم سے بچھڑی ہوئی
ایک چکوی دُکھی اور نصیبوں جلی
کم سخن، پھر اکیلی، سلگتی ہوئی
ایسی بے تاب، مغموم، بے خواب کو
تو میرا دوسرا روپ ہی جاننا

ہجر کے لمبے لمبے دنوں کے سبب
آرزوؤں کی بے تابیوں کے سبب
خواہشِ وصل کے ہاتھوں لٹنے پہ اب
پالا مارے ہوئے اک کنول کی طرح
کتنی مُرجھائی سی، زرد سی ہوگی وہ

میں سمجھتا ہوں کہ اب مرے ہجر میں
اور لگاتار اشکوں کی جھڑیوں سے بھی
سوُج ہی تو گئی ہوں گی وہ انکھڑیاں

گرم سانسوں کے ٹکراؤ سے سرخ لب
سرخیِ لب سے محروم ہوتے ہوئے
سوکھے سوکھے سے پھیکے سے ہوں گے وہ اب

اپنا چہرہ ہتھیلی پہ رکھے ہوئے
ایسی زلفیں جو خوشبو سے محروم ہیں!
اس پہ بکھری پریشاں، نظر آئیں گی
شکل واضح دکھائی نہ دے گی تجھے

جس طرح سامنے تیرے آجانے سے
پھیکی پڑجاتی ہے چاند کی چاندنی
ٹھیک ایسے ہی زلفیں بکھر جانے پر
اُس کا چہرہ بھی پھیکا نظر آئے گا!
حسن چہرے کا دھندلا نظر آئے گا

یا تو پوجا میں ہی منہمک ہوگی وہ
یا وہ میرے خیالوں میں کھوئی ہوئی
وہ مرے ہجر میں ناتواں جسم کی!
ایک تصویرِ غمگیں بناتی ہوئی
اے مرے دوست تجھ کو نظر آئے گی!

یا وہ مینا سے یوں پوچھتی ہوگی کہ
رس بھرے بولوں والی اے مینا بتا
کیا تجھے تیرے مالک کی یاد آتی ہے
تو تو اُن کی بڑی ہی دلاری بھی تھی؟

یا وہ میلی سی پوشاک پہنے ہوئے
گود میں اپنی، وینا کو رکھے ہوئے
گیت ایسے کہ جن میں میرا نام ہو
ایسے گیتوں کو وہ اونچی آواز میں
آرزومند ہوگی کہ گائے مگر،
اپنے اشکوں سے، بھیگی ہوئی وینا کے
بھیگے تاروں کو جیسے بھی ہو پونچھ کر
آپ اپنی بنائی ہوئی لے کو وہ،
آپ اپنی ہی کھینچی ہوئی تان کو
بارہا بھول جاتی تو ہوگی کہ وہ،
ایک برہن ہے، مغموم و کھوئی ہوئی

یا وہ میعادِ سوزِ غمِ ہجر میں،
اُن مہینوں کی جو بچ رہی ہے ابھی!
اُن کو گِننے کی خاطر وہ دہلیز پر
پھول جو وہ چڑھاتی چلی آئی ہے
گن رہی ہوگی رکھ کر زمیں پر اُنھیں
یا مرے ساتھ گزرے ہوئے دور کو
(جس میں رنگینوں کے سوا کچھ نہ تھا
جس کی زینت تھیں رنگین تر قربتیں
قربتوں سے سنورتی ہوئی خلوتیں)
کررہی ہوگی اُس دور کو یاد وہ!

کیوں کہ شوہر سے بچھڑی ہوئی بیویاں
اکثر ایسے ہی دل اپنا بہلاتی ہیں!

دن میں کاموں میں مصروف رہتے ہوئے
تیری دلکش سکھی کو جدائی مری
اِس قدر تو ستاتی نہ ہوگی مگر
سوچتا ہوں کہ راتوں کی تنہائی میں
دل کے بہلانے کا جب سہارا نہ ہو
تب تو غم اُس کا بڑھ جاتا ہوگا بہت

تن کے ہر سُکھ سے بھی دور رہتے ہوئے
رات جب وہ زمیں پر ہو لیٹی ہوئی
تھوڑی سوئی ہوئی تھوڑی جاگی ہوئی

تو وہاں ایسی کھڑکی میں جا بیٹھنا
جو کہ اس سیم تن کے بہت پاس ہو
اور پیغام میرا سناتے ہوئے
اس کا غم دور کرکے خوشی بخشنا

مَن کے دُکھ، ذہنی تکلیف کی وجہ سے
بستر ہجر پہ ایک کروٹ سے ہی
یا تو لیٹی، یا بیٹھی نظر آئے گی!

اب وہ کچھ ایسی دبلی نظر آئے گی
دور جیسے افق میں چمکتا ہوا
چاند کی پہلی تاریخ سے قبل کا
خوبصورت سا باریک سا چاند ہو

وہ مِرے ساتھ من چاہے انداز میں
جس مہکتی بہکتی شبِ وصل کو
ایک لمحے کی صورت بتا دیتی تھی!

اب وہی شب، شبِ ہجر جو بن گئی
جو جدائی میں کاٹے سے کٹتی نہیں،
میری لمبی جدائی کے باعث اُسے
وہ ابھاگن بتا تو رہی ہوگی اب
اپنے گرم آنسوؤں کو بہاتے ہوئے

جالیوں میں سے چھَن چھَن کے آتی ہوئی
چاند کی نرم کرنوں کے دیدار کو
یہ سمجھ کر کہ پچھلے مدھر سُکھ بھرے
وصل کی، خوبصورت نمائندہ ہیں!
اُس کی نظریں لپکتی تو ہوں گی مگر
لوٹ بھی آتی ہوں گی اُسی وقت وہ

آنسوؤں سے بھری اپنی پلکوں سے جب
ڈھانکنے لگتی ہوگی نگاہوں کو تب
وہ نظر آئے گی وہ بھی اس حال میں
بادلوں سے گھرے دن میں، تالاب کے
اُس کنول کی طرح جو کھلے نہ مونڈے
جاگتی ہی ملے گی نہ سوئی ہوئی!

کونپلوں جیسے نازک سے ہونٹوں کو جو
خشک کردیں اُنھیں گرم سانسوں سے وہ
غسل کے بعد کی اپنی سوکھی لٹیں،
عارضوں پہ جو رہ رہ کے آجاتی ہیں
پھونکتی ہوگی اور ہٹ رہی ہوں گی وہ

چاہتی ہوگی کہ عالمِ خواب میں،
اُس کی میری ملاقات ہو اس لیے
وہ بلاتی تو ہوگی مدھر نیند کو!

آہ لمحہ بہ لمحہ اُمنڈتے ہوئے
آنسوؤں سے بھری اُس کی آنکھوں میں اب
نیند کے حق میں تھوڑی جگہ بھی کہاں!

ہجر کے پہلے دن ہی سنوارے بِنا
اپنے ہاتھوں سے باندھا تھا جس زلف کو
اور جسے ہجر کے دن بتانے کے بعد
اپنے ہاتھوں سے ہی کھولنا ہے جسے!

جس کے چھونے سے تکلیف محسوس ہو
ایسی چبھتی ہوئی خشک لٹ کو وہ اب
اپنے لمبے، نکیلے چمکتے ہوئے،
ناخنوں والے کانپے ہوئے ہاتھ سے
بار بار اب تو سرکار رہی ہوگی وہ
اپنے اُبھرے ہوئے نرم رخسار سے

میرے غم میں وہ غم کو سنوارے ہوئے
اپنے سارے ہی زیور اُتارے ہوئے
اَن گنت دکھ تکالیف سہتی ہوئی
بسترِ ہجر پر اپنا کمزور تن ،
جانے رکھ پا رہی ہوگی وہ کس طرح

میگھ تو اُس کو اس حال میں دیکھ کر
تازہ پانی کی بوندیں گراتے ہوئے
رہ نہ پائے گا آنسو بہائے بنا!

کیوں کہ اکثر سبھی رحم دل والوں کا
دل بھر آتا ہے آنکھیں بھی بھر آتی ہیں

جانتا ہوں جو تیری سکھی کا ہے دل
اُس میں میرے لیے کس قدر پیار ہے
اور اسی وجہ سے پہلی فرقت میں، میں
اُس کی حالت کے بارے میں کچھ اس طرح
سوچتا ہوں اگر تو غلط بھی نہیں!

میگھ! لیکن تو ایسا نہیں سوچنا،
خوش نصیب آپ اپنے کو میں مان کر
بات کو یوں بڑھاتے چڑھاتے ہوئے
ایک ذرّے کو سورج بناتے ہوئے
اس کے بارے میں کہنے لگا ہوں تجھے

میرے بھائی! ابھی میں نے جو کچھ کہا
میں نے جو کچھ کہا اُس سے بھی کچھ سوا
جلد ہی روبرو، دیکھ ہی لے گا تو!

موںہہ پہ لٹکے ہوئے بال، جس کی حسیں
انکھڑیاں اپنے پیچھے چھپا لیتے ہیں!
جو کہ سوکھی ہیں اب ان میں کاجل نہیں
اور جو تیرِ نظر کیوں چلائیں کہ بس
خود کو مجبور، بے بس سمجھنے لگیں!

ترکِ صہبا کے باعث وہ چنچل بھنویں
بھول بیٹھی تو ہوں گی اُسی کھیل کو
جس سے آمادۂ وصل کرتی تھیں وہ

اُس کی ایسی ہی آنکھیں اور ایسی بھنویں
تیری آمد پہ پھر سے پھڑک جائیں گے!
چلبلاہٹ سے مچھلی کے جیسے کنول!

کیلے کے رس بھرے سے تنے کی طرح

....

(بدنصیبی سے) اُس جانگھ پر اب مرے
ناخنوں کے نشانات ہوں گے نہیں!
اب نہ سجتے ہوئے موتیوں کی لڑی،
(تیری آمد پہ) وہ کچھ پھڑک جائے گی!

میگھ! تیرے وہاں پر پہنچنے پہ جب!
راحتِ خوابِ شب مل رہی ہو اُسے
تب تو چپ چاپ (خاموش) گرجے بِنا
ممکنہ حد میں نزدیک ہی ٹھہرنا!
اُس کے بیدار ہونے کی راہ دیکھنا!

یاد رکھنا، ذرا کچھ بھی ایسا نہ ہو،
مشکلوں سے جواں اور حسیں خواب میں،
وہ مجھے اپنے نزدیک پاتے ہوئے،
اپنی تنہائی کو بھولتی سی ہوئی،
میری گردن میں بانہوں کو ڈالے ہوئے
اپنی بانہوں کی اک گانٹھ بندھے ہوئے
مجھ میں گم ہورہی ہو لپٹتے ہوئے

میگھ بس اس لیے تو گرجنا نہیں،
ورنہ جذباتی بانہوں کی جذباتی گانٹھ
تیری آواز سنتے ہی کھل جائے گی!

مالتی کے نئے گچھوں جیسی سُبگ!
اپنے پانی کی پھواروں کے ٹکراؤ سے
اُس کو آہستہ ایسے جگانا کہ وہ،
ٹکٹکی باندھے نظریں جمائے ہوئے
تجھ کو دیکھے جھروکے میں بیٹھے ہوئے
تب تو بجلی کو اپنی چھپاتے ہوئے
گرجنا روپی ہلکی سی آواز میں،
اُس کو کرنا مخاطب، مگر اس طرح

''اے سہاگن مجھے اپنے شوہر کا تم،
یہ سمجھ کر کہ میں اُس کا ایک دوست ہوں
اُس کا پیغام دل میں چھپائے ہوئے
ہاں تمہارے ہی تو پاس آیا ہوں میں

میں وہی میگھ ہوں جو مدھر رس بھری
پروقار اور سنجیدہ آواز میں،
گھر پہنچنے پہ آمادہ کرتا ہوں اور
ہر مسافر پیا کو یہ سمجھاتا ہوں،

اپنی پریاؤں کی نرم زلفوں کو تم
کھولنے کے لیے بیقرار ہو کے بھی،
راستے میں ہی آرام کرنے لگے
راستے میں یہ کیوں دیر کرنے لگے
چل پڑو، جلد ہی گھر پہنچ جاؤ تم
ان کی زلفیں بکھیرو وہ بے تاب ہیں۔''

اتنا کہنے پہ جیسے ہنومان کی،
سمت، سیتا نے خوش ہو کے دیکھا تھا یوں
ایک ٹک بیقراری کے عالم میں یوں
تجھ کو عزت کی نظروں سے دیکھے گی وہ
اور سنے گی توجہ سے ہر بات کو!

کیوں کہ فرقت زدہ عورتوں کے لیے
اپنے محبوب کا کوئی پیغام جو،
دوست کی معرفت آئے، موصول ہو
وہ ادھوری ملاقات سے کم نہیں!

اے طویل عمر والے! مری عرض پر
اپنے من موہ لچکیلے الفاظ میں!
اُس کے تن، اُس کے من کو مسرت جو دے
اُس سے کچھ ایسے کہنا۔'' اے اَبلے سنو
رام گیری کا جو آشرم ہے وہاں
رہنے والا جو تم سے ہے بچھڑا ہوا
جو کہ شوہر تمہارا ہے زندہ ہے وہ!
اُس نے پوچھا ہے تم خیریت سے تو ہو؟''

دُکھ تکالیف میں پلنے والوں سے بس
سب سے پہلے یہی پوچھنا چاہیے!''

(آگے کہنا کہ) میری وِدھاتا نے ہی
راستہ روک رکّھا ہے اُس کا تو وہ
تُم سے دور اور بہت دور ہوتے ہوئے
آتشِ ہجر و غم میں سلگتے ہوئے
آنسوؤں، وصل کی بیقرار آرزو
اور آہوں کے جلتے ہوئے انگ سے
اپنے تپتے ہوئے آنسوؤں سے بھرے
اپنی غمناک تنہائیوں کو لیے،
چاہتا ہے کہ تم میں سما جائے وہ!

اور تمہاری ہی سکھیوں کے جو رؤبرؤ
کہنے والی ہر اک بات کو بھی بڑے
راز کی بات کا رنگ دیتے ہوئے
صرف رُخسار چھونے کے لالچ میں ہی
بات کانوں میں کہنے کے انداز میں
وہ جو بے تاب، چنچل رہا کرتا تھا!
آج آنکھوں سے اوجھل ہے وہ لالچی
اور کانوں کی حد سے پرے اس لیے
بیقراری میں ترتیب دیتے ہوئے
اپنے یہ جملے مجھ سے کہلوائے ہیں!

''میری محبوب، شیام لتا میں ہی اب
(تجھ سے برہمن کے نازک بدن کی جھلک)
جسم کی نازکی مجھ کو مل جاتی ہے
اور چونکی ہرنیوں کی آنکھوں میں، میں
کچھ تمہاری ہی آنکھوں کے تیرِ نظر
چاند میں عارضوں کی بہت کچھ دَمک
مور پنکھوں میں بالوں کی خوبصورت
اور تمہاری بھنوں کی وہی حرکتیں
دیکھ لیتا ہوں ندیوں کی لہروں میں، میں
کل ملا کر تمہارا شبابِ حسیں،
اُس کی سج دھج، ادا، بانکپن، شوخیاں
ایک مرکز پہ، منظر میں، ملتے نہیں

اور جس وقت گیرو سے پتھر پہ میں!
پیار میں مجھ سے روٹھی ہو یہ مان کر
اک تمہاری پیاری سی تصویر کو،
(کیا کہوں) جیسے تیسے بنانے کے بعد
سوچتا ہوں کہ اُس میں یہ بتلاؤں کہ
تم محبت سے مجھ سے ہو روٹھی ہوئی
اور پڑا ہوں، تمہارے ہی قدموں میں، میں

ہائے اُس وقت آنسو امنڈ آتے ہیں
اور میری نگاہوں پہ چھا جاتے ہیں!
آہ بے رحم قسمت کی یہ دُشمنی،
اس ملن کو بھی برداشت کرتی نہیں

جب کبھی رات کو عالم خواب میں
دیکھتا ہوں تمہیں تم سے ملتا ہوں میں
چاہتا ہوں کہ بانہوں میں اپنی تمہیں
زور سے میں جکڑ لوں مگر کیا کروں،
اپنی بانہوں میں تم کو جکڑنے کو جب
بیقراری سے بانہوں کو پھیلاتا ہوں
میری بانہوں کو پھیلا ہوا دیکھ کر
(غمزدہ ہو کے) کتنی ہی وَن دیویاں
بار بار اپنے اشکوں کے آبی گوہر
وہ درختوں کے پتّوں پہ برساتی ہیں
(میری حالت پہ کتنا ترس کھاتی ہیں)

دیو دارو درختوں کے کتنے نئے
اور کھلے نرم پتوں کی تہہ کھول کر
ان سے نکلے ہوئے دودھ کے بہنے سے
خوشبوؤں میں بسی خوشبوؤں سے گھری
وہ ہوائیں جو دکھن میں بہنے لگیں!

ایسی مہکی ہواؤں کو یہ سوچ کر،
اپنے انگ انگ سے خوب ملتا ہوں کہ
سب سے پہلے یہ مہکی ہوائیں تمہیں!
اور تمہارا ہر اک انگ چھونے کے بعد
اِس طرف میری دنیا میں بہہ آئی ہوں

یہ پہاڑ ایسی شب صرف اک لمحے میں
چاہتا ہوں کہ بس بیت جایا کرے
اور دن بھی اسی طرح سے کم سے کم،
آتشِ غم میں مجھ کو جلایا کرے!

شوخ صہبا بھری انکھڑیوں والی اب
ایسی ناکام، غمگیں، تمناؤں نے
آتشِ ہجر غم کی تکالیف نے
کیا بتاؤں کہیں کا نہ رہنے دیا!

خوبصورت خیالات و جذبات کی
خوبصورت بہاریں دکھاتے ہوئے
وصل کی آرزوئیں سجاتے ہوئے
اور کیا جانے کتنے بہانوں سے میں
اپنے دل (اپنے من) کو سنبھالے ہوں تو
تم بھی (اے خوش نصیب) اِتنی گھبرانا مت

اس لیے کہ ہمیشہ کِسے سکھ ملا!
اِس لیے کہ ہمیشہ کسے دکھ ملا
جس کا ہر پہیہ اوپر تو نیچے کبھی
ایسے پہیے کا سا حال انساں کا ہے

ناگ کی سیج پر جب ہوں سوئے ہوئے
کارتک کی گیارس کے آنے پہ وہ
وشنو بھگوان سوتے سے جاگیں گے جب
خاتمہ بددعا کا بھی ہوجائے گا
ہجر کے رات دن سَر سے ٹل جائیں گے

اس لیے ہجر کے بقیہ یہ چار ماہ،
اپنی بے خواب آنکھوں کو تم موند کر
یوں بِتا دو کہ محسوس ہو نہ سکیں

اِس کے بعد ہم جدائی کے مارے ہوئے
اپنی پیاسی تمناؤں کی پیاس کو،
خود شرد پورنیما کی شبِ تاب میں
یوں بجھائیں گے کہ یاد رکھے گی وہ

آرزوئیں مکمل سنور جائیں گی!
خلوتوں میں بہک کر نکھر جائیں گی!

●

اس سے یہ اور کہہ دینا اے میگھ تو
کہ تمہارے پتی نے کہا ہے کہ تُم،
ایک دن اپنی ان مرمریں بانہوں کو
میرے اپنے گلے میں سجائے ہوئے
سوتے سوتے اچانک ہی جاگی تھیں تم
رو اٹھی تھیں ذرا اونچی آواز میں

میری ضد پر ہی کچھ مسکراتے ہوئے
تم نے مجھ سے کہا تھا اے چھلیا پیا،
خواب میں تم کو ایک غیر عورت کے ساتھ
میں نے دیکھا بہکتے لپٹتے ہوئے

ایسی رنگین اور راز کی بات پر
تم سمجھ لو کہ میں خیریت سے ہی ہوں!

کالی کالی حسیں انکھڑیوں والی تم،
دنیا والوں کی باتوں میں آنا نہیں
اعتمادِ وفا ڈگمگانا نہیں —!
اپنی نظروں میں مجھ کو گرانا نہیں
کہتے ہیں ہجر میں عشق گھٹ جاتا ہے
(پر غلط ہے سہاگنِ غلط ہے یہ سب)

سچ تو یہ ہے ملن کی کمی کے سبب
(یعنی من چاہی شے کے نہ ملنے پہ ہی)
چاہ اور عشق حد سے گزر جاتے ہیں
آتشِ عشق دُگنی بھڑک جاتی ہے

دوست بتلا کہ اس غمزدہ دوست کا
کام کرنے کا بیڑہ اٹھا تو لیا؟

تیری خاموشی تیری یہ سنجیدگی
لفظ ''ہاں'' سے کسی بھی طرح کم نہیں
میں تو یہ مانتا ہوں بہر طور تو،
پوری کرکے رہے گا مری آرزو
کیوں کہ تو چاتکوں کی ہی درخواست پر
اُن سے بولے بِنا پانی برساتا ہے

دوستوں کے بتائے ہوئے کام کو
پورا کردینا اُتر شریفوں کا ہے

میگھ (جَل) پانی برسانے والے یہ سُن
تو مجھے دوست یا غمزدہ مان کر
اپنے جذباتِ رحم و کرم کے سبب
میرے اس کام کو پورا کر ڈالنا!

اس کے بعد اپنی برسات کے حُسن سے
اور بھی رنگ میں حسن میں ڈوب کر
اپنی من چاہی راہوں پہ تو گھومنا

میری یہ آرزو یہ دعا ہے کہ تو
اپنی محبوبہ (بجلی) سے پل بھر کو بھی
جیسے بچھڑا ہوں میں تو نہ بچھڑے کبھی

●

عتیق اللہ

محمود احمد سحر کا ایک بڑا کارنامہ

محمود احمد سحر کا پہلا عشق شاعری ہے۔ عشق ہی ان کی شاعری کا نمایاں نشان بھی ہے۔ ان کے احساسِ جمال میں جو شدت ہے وہ ان کی رباعیوں، نظموں اور غزلوں میں رنگا رنگ پیکروں میں عود کر آئی ہے۔ ان کی پیکر آفرینی محض بصری حس ہی کو متحرک نہیں کرتی لمسی حس کو بھی حرکت میں لاتی اور جنسیت و عشق کو ہم آمیز کر کے ایک وسیع تر انسان متعلق human concerned معنی کا حامل بنا دیتی ہے۔ عشق کی فرہنگ میں جنس یا جنسیت جذباتِ انسانی کے ارفع ترین درجے کا نام ہے۔ عشق سے عاری جنسیت بوالہوسی ہے اور جنسیت سے عاری عشق محض خود فریبی۔ محمود احمد سحر کے کلام میں شروع ہی سے عشق ایک زبردست باطنی قوت کے طور پر اپنے معنی قائم کرتا ہے۔ اسی تصورِ عشق کی جھلک انھیں بعد ازاں کالیداس کی تخلیقات میں نظر آئی۔ اسی ذہنی اور جذباتی مطابقت نے انھیں کالیداس کی عظیم شاعری کو اردو میں منتقل کرنے کی طرف مائل کیا۔ انھوں نے باقاعدہ سنسکرت زبان سیکھی۔ اجین کے سنسکرت زبان کے معروف پنڈتوں اور وِدّوانوں کی صحبتوں سے فیض اٹھایا۔ میں نے برسوں انھیں اسی دیوانگی میں دربدر کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ کئی سخت ترین مراحل سے گزرنے کے بعد جب وہ پوری طرح مطمئن ہوگئے تب 'میگھ دوت' کے ترجمے کا ڈول ڈالا۔ میں نے ان کی زبان سے اسے بارہا سنا ہے۔ اور مسحور ہوا ہوں۔

سحر صاحب کی قدرتِ کلامی اس ترجمے میں بڑی کام آئی۔ عام طور پر یہی خیال کیا جاتا ہے اور میں بھی اس خیال سے اتفاق کرتا آیا ہوں کہ کسی بھی زبان کی شاعری کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ محض لفظی ترجمے یا خیال کی ترجمانی سے ترجمے کا حق ادا نہیں ہوتا۔ شاعری کا اصل حسن اس کی زبان کے جوہر سے عبارت ہوتا ہے۔ تخلیقی زبان کی خودروی، لفظوں کی غیر رسمی تنظیم، غیر متوقع لسانی اور محسوساتی سانچوں سے جو شعری اسلوب قائم ہوتا ہے۔

اُس کی صورت سرایت پذیر روح کی طرح ہوتی ہے جسے چھوا نہیں جاسکتا۔ کسب نہیں کیا جاسکتا بس محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اسی معنی میں کسی بھی شعری تخلیق کے خیال کی منتقلی، روح کی منتقلی کا بدل نہیں ہوسکتی۔ لیکن محمود احمد سحر نے جس طور پر سنسکرت زبان کی ثقافتی روح کو کسب کرنے کی سعی کی ہے اور جس طرح اردو زبان کی ثقافتی روح کے ساتھ اسے ہم آمیز کیا ہے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ناممکن سب کے لیے ناممکن نہیں ہوتا۔ سحر صاحب کو لفظوں کا گہرا شعور ہے۔ ان کے صوتیاتی تفاعل پر ان کی گہری نظر ہے۔ انھیں ہر دو زبان کے لغات کا گہرا علم ہے۔ وہ اس ہنر سے بھی واقف ہیں کہ لفظ کو کس طور پر زندگی آمیز اور حرکت آمیز بنایا جاسکتا ہے۔

ترجمہ نگار اگر خود تخلیقی فنکار رہے تو اس کے لیے پھر کسی اور تربیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تخلیقی جوہر ہی اس کے لیے چراغ راہ کا کام کرتا ہے۔ وجدان ہی اس کی بہترین درس گاہ ہوتی ہے۔ سحر صاحب کے ترجمے میں جو خلقی آب یا اور یجنل تخلیق کا رنگ رس محسوس ہوتا ہے اس کا راز ان کی غیر معمولی تخلیقیت کی استعداد میں مضمر ہے۔ یہی وہ استعداد ہے جس نے انھیں مشکل پسند بھی بنایا ہے۔ غالب کی مشکل پسندی بھی انھیں اسی لیے خوش آتی ہے کہ اردو شاعری میں غالب سے بڑا لفظ کی نزاکتوں اور باریکیوں کا راز دار کوئی اور نہیں۔ سحر صاحب کی مشکل پسند طبیعت جمال پسند بھی ہے جن کے لیے دنیا کی سب سے خوبصورت ترین مخلوق کا نام عورت ہے جو حاصلِ کائنات اور معنیِ ہر این و آں ہے۔ کالیداس کو اردو میں متعارف کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اردو غزل کا سارا پندار حسن و عشق کی معاملت، ایک دوسرے کی طرف کشش آوری، علیحدگی و سپردگی، ہجر و وصال کی کیفیات سے عبارت ہے۔

ہجر شدتِ عشق کو قائم رکھنے کی ایک مستقل سبیل ہے۔ فاصلہ جذبۂ عشق کو جلا بخشتا اور مستحکم کرتا ہے۔ 'میگھ دوت' ایک ایسا ہی نغمہ ہے جس کی لَے میں دلسوزی ہے اور لحن میں رقّت ہے۔ اس دلسوزی اور رقت کو ہجر اور فاصلے کے شدید ترین احساس نے پیدا کیا ہے۔ 'رِتو سنہار' میں بھی مختلف موسم سیدھے انسانی جذبوں اور احساسات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہجر و وصال کی رنگارنگ کیفیتیں کبھی نشاط انگیز ٹیسوں سے دوچار کراتی ہیں، کبھی یہ ٹیسیں بلائے جانی بن جاتی ہیں۔ کالیداس کے یہاں مظاہر فطرت کو انسانی جذبوں کے ساتھ مربوط کرنے کی روش، ان کے آرٹ کا ایک خاص وظیفہ ہے۔ وہ فطرت کو کہیں نہیں بھولتے۔ سارے مظاہر، سارے چرند، پرند شاعر کے محسوساتی سانچوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ فطرت کا کوئی مظہر انسانی عنصر سے عاری

نہیں ہے۔ محمود احمد سحر نے انھیں اسی طرح منتقل کرنے کی کوشش کی ہے جس طرح بنیادی زبان یعنی Source language میں کالیداس نے انھیں ادا کیا ہے۔ ترجمے کے عمل میں کبھی بنیادی زبان کی خوبیوں کو مطلوبہ زبان یعنی Target language میں منتقل کرنا ممکن نہیں ہوتا اور کبھی شاعر کی اس زبان کے تہذیبی تناظر سے لاعلمی ترجمے کی کامیابی کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ بن جاتی ہے۔ محمود احمر سحر کا وطن اجین ہے جو کالیداس کا وطن بھی کہلاتا ہے۔ سحر صاحب کے لیے نہ تو سنسکرت زبان کی ثقافتی روح اجنبی نوعیت رکھتی ہے اور نہ اردو زبان کی غیر معمولی تخلیقی اہلیت سے وہ لاعلم ہیں۔ شاعری ان کی روح میں رچی بسی ہے۔ خود ایک اہم اور منفرد شاعر ہیں اور زندگی کا گہرا تجربہ رکھتے ہیں۔ ترجمہ پڑھتے ہوئے بھی بار بار یہ محسوس ہوا جیسے کالیداس کی روح ان میں حلول کر گئی ہے۔ یہ کالیداس کی نظم نہیں محمود احمد سحر کی شعری کاوشیں ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ ڈیڑھ دو ہزار برس پہلے کے شعری تجربے نہیں آج کے تجربے ہیں۔ آج کا طرزِ احساس ان میں گھل مل گیا ہے۔ شاعر کا اسے بہت بڑا کمال کہنا چاہیے۔ محمود احمد سحر کی یہ کاوشیں لائقِ صد تحسین ہیں اور ایک بڑے انعام کا استحقاق رکھتی ہیں۔

●

KALIDAS KI AZEEM SHAIRI, MEGH DOOT

(Vol-1)

by

Mahmood Ahmed Sahar



نام : محمود احمد سحر

مختلف قلمی نام : محمود احمد سحر، اخفش، محمود احمد سحر، ایچ اقبال اور دیگر

پیدائش : 15 نومبر 1937

تعلیم : ایم۔ اے اردو، سنسکرت زبان ذاتی شوق کی بنا پر سیکھی

تخلیقی سفر : شاعری کا آغاز 1953 سے / نثر نگاری سنہ 1959 سے 1960 سے ہر ماہ ایک ناول کی اشاعت جو 1982 تک جاری رہی۔ مختصر افسانے، ترجمے

چند کتابوں کے نام : گلپوش، وشت شب زندہ، سکوں نا آشنا جنگل (زیر طبع) غزلوں کے مجموعے

چند ناولوں کے نام : خاندان، پتھر کا شکار، کالی چاندنی، میدان کا عذاب، ملیارے کا اغوا، پھدکتی روشنی، حویلی کی موت، مردوں کا اغوا، جنگ کے پجاری، ادھورا آدمی، چھ ہزار موتیں، آپریشن کارشیا، آپریشن سی وان، تاریک وادی (سلسلے وار آٹھ ناول) اور بے شمار ناول

منظوم تخلیقی ترجمے : میگھ دوت، رتو سنہار، کمار سمبھو (کالیداس) شرنگار شتک (بھرتری ہری)

اعزازات : اردو اکادمی بھوپال، دیگر اعزازات جن میں مدھیہ پردیش بھارتیہ جنتا پارٹی (ساہتیہ پرکوشٹھ نے پنڈت دین دیال اپادھیائے ساہتیہ سمان سے نوازے جانے کا اعلان کیا)۔

Kitabi Duniya

1955, Gali Nawab Mirza Mohalla Qabristan
Turkman Gate Delhi:110006 (INDIA)
Mob:9313972589, Phone:011-23288452
E-mail:kitabiduniya@rediffmail.com
kitabiduniya@gmail.com

978-93-84269-34-0